روزنامہ
الفضل
ربوہ

پبلشر: آغا سیف اللہ۔ پرنٹر: قاضی منیر احمد
مطبع: ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ
مقام اشاعت: دارالنصر غربی۔ ربوہ

قیمت
۱۲ بارہ روپے

جلد ۴۱-۷۶ | جمعرات ۱۸ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ، ۲۶ فتح ۱۳۷۰ ہش، ۲۶ دسمبر ۱۹۹۱ء | نمبر ۲۹۱

رُوحانی خوبصورتی

انسانی زندگی کی بہتری — اس دُنیا میں اور اگلی دُنیا میں۔ جو مذہب کا حقیقی مقصد ہے اور جس کے حصول کے بغیر انسان کہیں کا نہیں رہتا۔ اس بات پر منحصر ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور کرے۔ اور حتی المقدور ان کی تقلید کرے۔ اللہ تعالیٰ "خوبصورت" ہے اور اس کی صفات کی تقلید انسان کو "خوبصورت" بنا دیتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی صفات کی تقلید تقوٰی کی راہ سے ممکن ہے۔ اس سلسلے میں حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ پر سلامتی نازل فرماتا رہے۔ فرماتے ہیں:-

"انسان کی تمام رُوحانی خوبصورتی تقوٰی کی تمام باریک راہوں پر قدم مارنا ہے۔ تقوٰی کی باریک راہیں رُوحانی خوبصورتی کے لطیف نقوش اور خوشنما خط و خال ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی امانتوں اور ایمانی عہدوں کی حتی الوسع رعایت کرنا اور سر سے پیر تک جتنے قوٰی اور اعضاء ہیں جن میں ظاہری طور پر آنکھیں اور کان اور ہاتھ اور پیر اور دوسرے اعضاء ہیں اور باطنی طور پر دل اور دوسری قوتیں اور اخلاق ہیں۔ ان کو جہاں تک طاقت ہو ٹھیک ٹھیک محلِ ضرورت پر استعمال کرنا اور ناجائز مواضع سے روکنا اور ان کے پوشیدہ حملوں سے متنبہ رہنا اور اس کے مقابل پر حقوقِ عباد کا بھی لحاظ رکھنا یہ وہ طریق ہے کہ انسان کی تمام رُوحانی خوبصورتی اس سے وابستہ ہے اور خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں تقوٰی کو لباس کے نام سے موسوم کیا ہے۔ چنانچہ لباس التقوٰی قرآن شریف کا لفظ ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رُوحانی خوبصورتی اور رُوحانی زینت تقوٰی سے ہی پیدا ہوتی ہے اور تقوٰی یہ ہے کہ انسان خدا کی تمام امانتوں اور ایمانی عہد اور ایسا ہی مخلوق کی تمام امانتوں اور عہد کی حتی الوسع رعایت رکھے یعنی ان کے دقیق در دقیق پہلوؤں پر تابقدر کاربند ہو جائے۔"

ہم نے حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ہاتھ پر اپنی زندگیوں کو رُوحانی طور پر خوبصورت سے خوبصورت تر بنانے کے لئے بیعت کی ہوئی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ حضور اقدس کے اُوپر دیئے گئے ارشاد پر دل و جان سے عمل پیرا رہیں۔ اے خدا تُو اپنے فضل و کرم سے ہمیں وہ خوبصورتی عطا فرما جسے تیرا عکسِ جمیل کہا جا سکے اور جو احمدیت کا حقیقی مفہوم ہے۔

گردن زدنی ہُوں کہ ترا نام لیا ہے
مَیں نے ترے محبوب کو کیوں اپنا کہا ہے
کہتے ہیں کہ خاموش رہو کچھ نہ کہو تم
ہوگا کبھی ایسا نہ کبھی ایسا ہُوا ہے

—— ابو الاقبال

تمہاری آرزو بن جائے گر ہر آرزو میری
تو پھر شائد سمجھ پائے زمانہ گفتگو میری

نظر میں تیرتی رہتی ہے تیرے نام کی عزّت
اِسی منظر سے ہوتی ہے اُجاگر آبرو میری

نہ ہو پایا اگر آج اس کے در پر ناصیہ فرسا
تو پھر کب کام آئے گی پرستاری کی خُو میری

ملاقاتیں تو ہوتی ہیں مگر وہ مِل نہیں پاتے
کبھی ہوگی ملاقات ان سے مولا رُوبرو میری؟

یہ لاہوتی پرندے آسماں کی سمت اُڑتے ہیں
اُڑانیں ان کی لگتی ہیں اُڑانیں ہو بہو میری

یہ اعجازِ محبت ہے کہ اشکوں کے تسلسل سے
رواں ہے یم بہ یم، دریا بہ دریا، جُو بہ جُو میری

کوئی تو ہو جو لے جائے پیامِ دوستی میرا
مجھے ڈر ہے نہ ہو جائے طبیعت جیلہ جُو میری

اگر کہہ دیں کہ اُن کو خواب میں آنے سے نفرت ہے
مَیں اپنی نیند سے کہہ دُوں، نہ مَیں تیرا نہ تُو میری

قناعت کے وسیلہ پر گذر اوقات ہوتی ہے
چمن میں جا کے مَیں کیا لُوں، نہ رنگ اپنا نہ بُو میری

اُفق سے اِک کرن بانہوں میں لے لیتی ہے دُنیا کو
نہ تیری کوششیں کافی، نہ سعیٔ جستجُو میری

اُنہیں مِل کر خدا جانے یہ نشّہ کیوں نہیں اُترا
کہ دوری پر بھی رہتی ہے اب ان سے گفتگو میری

نسیم اُس سے بہت کچھ کہہ چکا بس اب یہ کہنا ہے
تشخّص بھی ہے میرا، اور عزّت بھی ہے تُو میری

نسیم سیفی

کلام الامامؑ امام الکلام

سیّدنا حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کا پُر معارف منظوم کلام

اِک نہ اِک دن پیش ہوگا تُو فنا کے سامنے
چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے

چھوڑنی ہوگی تجھے دُنیائے فانی ایک دن
ہر کوئی مجبور ہے حُکمِ خُدا کے سامنے

مستقل رہنا ہے لازم اَے بشر تجھ کو سدا
رنج و غم یاس و اَلم فکر و بلا کے سامنے

بارگاہِ ایزدی سے تو نہ یوں مایوس ہو
مشکلیں کیا چیز ہیں مشکل کُشا کے سامنے

حاجتیں پُوری کریں گے کیا تری عاجز بشر
کر بیاں سب حاجتیں حاجت رَوا کے سامنے

چاہیئے تجھ کو مٹانا قلب سے نقشِ دوئی
سر جُھکا بس مالکِ ارض و سما کے سامنے

چاہیئے نفرت بدی سے اور نیکی سے پیار
ایک دن جانا ہے تجھ کو بھی خدا کے سامنے

راستی کے سامنے کب جھوٹ پھلتا ہے بھلا
قدر کیا پتھّر کی لعلِ بے بہا کے سامنے

کلام محمود

کبھی حضور میں اپنے جو بار دیتے ہیں
ہَوا و حرص کی دُنیا کو مار دیتے ہیں

وہ عاشقوں کے لئے بیقرار ہیں خود بھی
وہ بے قرار دلوں کو قرار دیتے ہیں

کسی کا قرض نہیں رکھتے اپنے سر پر وہ
جو ایک دے انہیں اس کو ہزار دیتے ہیں

عطا و بخشش و انعام کی کوئی حد ہے
جسے بھی دیتے ہیں وہ بے شمار دیتے ہیں

جو اُن کے واسطے ادنیٰ سا کام کرتا ہے
وہ دین و دُنیا کو اس کی سدھار دیتے ہیں

جو دن میں آہ بھرے ان کی یاد میں اک بار
وہ رات پہلو میں اُس کے گذار دیتے ہیں

بگاڑ لے کوئی ان کے لئے جو دُنیا سے
وہ سات پُشت کو اس کی سنوار دیتے ہیں

وہ جیتنے پہ ہوں مائل تو عاشقِ صادق
خوشی سے جان کی بازی بھی ہار دیتے ہیں

وہی فلک پہ چمکتے ہیں بن کے شمس و قمر
جو در پہ یار کے عمریں گذار دیتے ہیں

وہ ایک آہ سے بیتاب ہو کے آتے ہیں
ہم اک نگاہ پہ سو جان ہار دیتے ہیں

جو تیرے عشق میں دل کو لگے ہیں زخم اے جاں
اِدھر تو دیکھ وہ کیسی بہار دیتے ہیں

کلام طاہر

یہ دل نے کس کو یاد کیا۔ سپنوں میں یہ کون آیا ہے
جس سے سپنے جاگ اُٹھے ہیں خوابوں نے نُور کمایا ہے

گُل بُوٹوں کلیوں پتّوں سے، کانٹوں سے خوشبو آنے لگی
اک عنبر بار تصوّر نے یادوں کا چمن مہکایا ہے

گُل رنگ شفق کے پیراہن میں۔ قوسِ قزح کی پینگوں پر
اِک یاد کو جھولے دے دے کر پگلے نے دل بہلایا ہے

دیکھیں تو سہی دن کیسے کیسے حُسن کے رُوپ میں ڈھلتا ہے
بادل نے شفق کے چہرے پر کالا گیسو بکھرایا ہے۔

جس رُخ دیکھیں ہر مَن موہن تیرا مُنہ ہی تکتا ہے
ہر محسن نے تیرے حُسن کا ہی احسان اٹھایا ہے

میرے دل کے افق پر لاکھوں چاند ستارے روشن ہیں لیکن
جو ڈوب چکے ہیں ان کی یادوں نے منظر دھندلایا ہے

جب مالی داغِ جدائی دے، مُرجھا جاتے ہیں گُل بُوٹے
دیکھیں، فرقت نے کیسے پھُول سے چہروں کو کملایا ہے

یہ کون ستارا ٹوٹا جس سے سب تارے بے نُور ہوئے
کس چندرما نے ڈوب کے اتنے چاندوں کو گہنایا ہے

کیا جلتا ہے کہ چمنیوں سے اُٹھتا ہے دھواں آہوں کی طرح
اِک درد بداماں سُرمئی رُت نے سارا اُفق کجلایا ہے

کوئی احمدیوں کے امام سے بڑھ کر۔ کیا دنیا میں غنی ہوگا
سچے دل اس کی دولت ہیں۔ اخلاص اس کا سرمایہ ہے

ساتھی دُکھ کے دُکھ بانٹ کے اپنا تن من دھن اپنا بیٹھے
ساتھی سُکھ کے تو پرائے سے ہیں۔ کون گیا۔ کون آیا ہے

غفلت میں عمر کی رات کٹی۔ دل میلا بال سفید ہوئے
اُٹھ چلنے کی تیاری کر۔ سورج سر پر چڑھ آیا ہے

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کا اسلوبِ تحریر

"اے وے لوگو! جو نیکی اور راستبازی کے لئے بلائے گئے ہو۔ تم یقیناً سمجھو کہ خدا کی کشش اس وقت تم میں پیدا ہوگی اور اسی وقت تم گناہ کے مکروہ داغ سے پاک کئے جاؤ گے جب کہ تمہارے دل یقین سے بھر جائیں گے۔ شاید تم کہو گے کہ ہمیں یقین حاصل ہے سو یاد رہے کہ یہ تمہیں دھوکا لگا ہوا ہے۔ یقین تمہیں ہرگز حاصل نہیں کیونکہ اس کے لوازم حاصل نہیں۔ وجہ یہ کہ تم گناہ سے باز نہیں آتے۔ تم ایسا قدم آگے نہیں اٹھاتے جو اٹھانا چاہیئے۔ تم ایسے طور سے نہیں ڈرتے جو ڈرنا چاہیئے۔ خود سوچ لو کہ جس کو یقین ہے کہ فلاں سوراخ میں سانپ ہے وہ اس سوراخ میں کب ہاتھ ڈالتا ہے اور جس کو یقین ہے کہ اس کے کھانے میں زہر ہے وہ اس کھانے کو کب کھاتا ہے اور جو یقینی طور پر دیکھ رہا ہے کہ اس فلاں بَن میں ایک ہزار خونخوار شیر ہے اس کا قدم کیونکر بے احتیاطی اور غفلت سے اس بَن کی طرف اٹھ سکتا ہے سو تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں اور تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں کیونکر گناہ پر دلیری کر سکتی ہیں۔ اگر تمہیں خدا اور جزا سزا پر یقین ہے۔ گناہ یقین پر غالب نہیں ہو سکتا اور جبکہ تم ایک بھسم کرنے اور کھا جانے والی آگ کو دیکھ رہے ہو تو کیونکر اس آگ میں اپنے تئیں ڈال سکتے ہو۔ اور یقین کی دیواریں آسمان تک ہیں۔ شیطان ان پر چڑھ نہیں سکتا۔ ہر ایک جو پاک ہوا وہ یقین سے پاک ہوا۔ یقین دکھ اٹھانے کی قوت دیتا ہے۔ یہاں تک کہ بادشاہ کو تخت سے اتارتا ہے اور فقیری جامہ پہناتا ہے۔ یقین ہر ایک دکھ کو سہل کر دیتا ہے یقین خدا کو دکھاتا ہے۔ ہر ایک کفارہ جھوٹا ہے اور ہر ایک فدیہ باطل ہے اور ہر ایک پاکیزگی یقین کی راہ سے آتی ہے۔ وہ چیز جو گناہ سے چھڑاتی ہے اور خدا تک پہنچاتی اور فرشتوں سے بھی صدق اور ثبات میں آگے بڑھا دیتی ہے وہ یقین ہے۔ ہر ایک مذہب جو یقین کا سامان پیش نہیں کرتا وہ جھوٹا ہے ہر ایک مذہب جو یقینی وسائل سے خدا کو دکھا نہیں سکتا وہ جھوٹا ہے۔ ہر ایک مذہب جس میں بجز پرانے قصوں کے اور کچھ نہیں وہ جھوٹا ہے۔ خدا جیسے پہلے تھا وہ اب بھی اور اس کی قدرتیں جیسی پہلے تھیں وہ اب بھی ہیں۔ اور اس کا نشان دکھلانے پر جیسا کہ پہلے اقتدار تھا وہ اب بھی ہے۔ پھر تم کیوں صرف قصوں پر راضی ہوتے ہو۔"

(کشتی نوح صفحہ ۸۵-۸۶)

"حقیقی نور کیا ہے؟ وہ جو تسلی بخش نشانوں کے رنگ میں آسمان سے اترتا اور دلوں کو سکینت اور اطمینان بخشتا ہے۔ اس نور کی ہر ایک نجات کے خواہشمند کو ضرورت ہے کیونکہ جس کو شبہات سے نجات نہیں اس کو عذاب سے بھی نجات نہیں۔ جو شخص اس دنیا میں خدا کے دیکھنے میں بے نصیب ہے وہ قیامت میں بھی تاریکی میں گرے گا خدا کا قول ہے:

"جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ اگلی دنیا میں بھی اندھا ہوگا۔"

اور خدا نے اپنی کتاب میں بہت جگہ اشارہ فرمایا ہے کہ میں اپنے ڈھونڈنے والوں کے دل نشان سے منور کروں گا۔ یہاں تک کہ وہ خدا کو دیکھیں گے اور میں اپنی عظمت انہیں دکھلاؤں گا۔ یہاں تک کہ سب عظمتیں ان کی نگاہ میں ہیچ ہو جائیں گی۔ یہی باتیں ہیں جو میں نے براہ راست خدا کے مکالمات سے بھی سنیں۔ پس میری روح بول اٹھی کہ خدا تک پہنچنے کی یہی راہ ہے اور گناہ پر غالب آنے کا یہی طریق ہے۔ حقیقت تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم حقیقت پر قدم ماریں فرضی تجویزیں اور خیالی منصوبے ہمیں کام نہیں دے سکتے۔ ہم اس بات کے گواہ ہیں اور تمام دنیا کے سامنے اس شہادت کو ادا کرتے ہیں کہ ہم نے اس حقیقت کو جو خدا تک پہنچاتی ہے قرآن سے پایا۔ ہم نے اس خدا کی آواز سنی اور اس کے پرزور بازو کے نشان دیکھے جس نے قرآن کو بھیجا۔ سو ہم یقین لائے کہ وہی سچا خدا اور تمام جہانوں کا مالک ہے۔ ہمارا دل اس یقین سے ایسا پُر ہے جیسا کہ سمندر کی زمین پانی سے۔ (—————)

ہم نے اس نورِ حقیقی کو پایا جس کے ساتھ سب ظلماتی پردے اٹھ جاتے ہیں اور غیر اللہ سے درحقیقت دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ یہی ایک راہ ہے جس سے انسان نفسانی جذبات اور ظلمات سے ایسے باہر آ جاتا ہے جیسے سانپ اپنی کینچلی سے۔"

(کتاب البریہ صفحہ ۶۵)

"میری ہمدردی کے جوش کا اصل محرک یہ ہے کہ میں نے ایک سونے کی کان نکالی ہے اور مجھے جواہرات کے معدن پر اطلاع ہوئی ہے اور مجھے خوش قسمتی سے ایک چمکتا ہوا اور بے بہا ہیرا اس کان سے ملا ہے اور اس کی اس قدر قیمت ہے کہ اگر میں اپنے ان تمام بنی نوع بھائیوں میں وہ قیمت تقسیم کروں تو سب کے سب اس شخص سے زیادہ دولتمند ہو جائیں گے جس کے پاس آج دنیا میں سب سے بڑھ کر سونا چاندی ہے۔ وہ ہیرا کیا ہے؟ سچا خدا۔ اور اس کو حاصل کرنا یہ ہے کہ اس کو پہچاننا۔ اور سچا ایمان اس پر لانا۔ اور سچی محبت کے ساتھ اس سے تعلق پیدا کرنا اور سچی برکات اس سے پانا۔" (اربعین ۲)

"خدا بڑی دولت ہے اس کے پانے کیلئے مصیبتوں کے لئے تیار ہو جاؤ۔ وہ بڑی مراد ہے اس کے حاصل کرنے کے لئے جانوں کو فدا کرو۔ عزیزو! خدا تعالیٰ کے حکموں کو بے قدری سے نہ دیکھو۔ موجودہ فلسفہ کی زہر تم پر اثر نہ کرے۔ ایک بچے کی طرح بن کر اس کے حکموں کے نیچے چلو۔ نماز پڑھو۔ نماز پڑھو کہ وہ تمام سعادتوں کی کنجی ہے اور جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو ایسا نہ کر کہ گویا تو ایک رسم ادا کر رہا ہے بلکہ نماز سے پہلے جیسے ظاہر وضو کرتے ہو ایسا ہی ایک باطنی وضو بھی کرو اور اپنے اعضاء کو غیر اللہ کے خیال سے دھو ڈالو۔ تب ان دونوں وضوؤں کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور نماز میں بہت دعا کرو اور رونا اور گڑگڑانا اپنی عادت کر لو تا تم پر رحم کیا جائے۔

سچائی اختیار کرو۔ سچائی اختیار کرو کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ تمہارے دل کیسے ہیں۔ کیا انسان اس کو بھی دھوکا دے سکتا ہے؟ کیا اس کے آگے بھی مکاریاں پیش جاتی ہیں؟ نہایت بدبخت آدمی اپنے فاسقانہ افعال اس حد تک پہنچاتا ہے کہ گویا خدا نہیں۔ تب وہ بہت جلد ہلاک کیا جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کو اس کی کچھ بھی پرواہ نہیں ہوتی۔

عزیزو! اس دنیا کی مجرد منطق ایک شیطان ہے اور اس دنیا کا خالی فلسفہ ایک ابلیس ہے جو ایمانی نور کو نہایت درجہ گھٹا دیتا ہے اور بے باکیاں پیدا کرتا ہے۔"

(ازالہ اوہام)

"خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں اپنی جماعت کو اطلاع دوں کہ جو لوگ ایمان لائے ایسا ایمان جو اس کے ساتھ دنیا کی ملونی نہیں اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں اور خدا فرماتا ہے کہ وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے۔

اے سننے والو! سنو! کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم اسی کے ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا۔ اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ پہلے بولتا تھا۔ اور اب بھی وہ سنتا ہے جیسا کہ پہلے سنتا تھا۔ (—) اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نہ کبھی ہوگی۔ وہ وہی واحد لاشریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں۔ وہ وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی ہمتا، جس کا کوئی ہم صفات نہیں۔ اور جس کی کوئی طاقت کم نہیں۔ وہ قریب ہے باوجود دور ہونے کے اور دور ہے باوجود نزدیک ہونے کے۔ وہ تمثل کے طور پر اہل کشف پر اپنے تئیں ظاہر کر سکتا ہے مگر اس کے لئے نہ کوئی جسم ہے اور نہ کوئی شکل ہے۔ اور وہ سب سے اوپر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی اور بھی ہے۔ اور وہ عرش پر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ زمین پر نہیں۔ وہ مجمع ہے تمام صفات کاملہ کا اور مظہر ہے تمام محامد حقہ کا اور سرچشمہ ہے تمام خوبیوں کا اور جامع ہے تمام طاقتوں کا اور مبداء ہے تمام فیضوں کا اور مرجع ہے ہر ایک شئے کا اور مالک ہے ہر ایک ملک کا اور متصف ہے ہر ایک کمال سے اور منزہ ہے ہر ایک عیب اور ضعف سے اور مخصوص ہے اس امر میں کہ زمین والے اور آسمان والے اسی کی عبادت کریں اور اس کے آگے کوئی بات بھی انہونی نہیں۔ اور تمام روح اور اس کی طاقتیں اور تمام ذرات اور ان کی طاقتیں اسی کی پیدائش ہیں۔ اس کے بغیر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی۔ وہ اپنی طاقتوں اور اپنی قدرتوں اور اپنے نشانوں سے اپنے تئیں آپ ظاہر کرتا ہے اور اس کو اسی کے ذریعہ سے ہم پا سکتے ہیں۔ اور وہ راستبازوں پر ہمیشہ اپنا

وجود ظاہر کرتا رہتا ہے اور اپنی قدرتیں ان کو دکھلاتا ہے۔ اسی سے وہ شناخت کیا جاتا اور اسی سے اس کی پسندیدہ راہ شناخت کی جاتی ہے۔

وہ دیکھتا ہے بغیر جسمانی آنکھوں کے۔ اور سنتا ہے بغیر جسمانی کانوں کے اور بولتا ہے بغیر جسمانی زبان کے۔ اسی طرح نیستی سے ہستی کرنا اس کا کام ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ خواب کے نظارہ میں بغیر کسی مادہ کے ایک عالم پیدا کر دیتا ہے اور ہر ایک فانی اور معدوم کو موجود دکھلا دیتا ہے۔ پس اسی طرح اس کی تمام قدرتیں ہیں۔ نادان ہے وہ جو اس کی قدرتوں سے انکار کرے۔ اندھا ہے وہ جو اس کی قدرتوں سے انکار کرے۔ اندھا ہے وہ جو اس کی عمیق طاقتوں سے بے خبر ہے۔ وہ سب کچھ کرتا ہے اور کر سکتا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ سب نبیوں سے افضل وہ نبی ہے کہ جو دنیا کا مربیٔ اعظم ہے۔ یعنی وہ شخص جس کے ہاتھ سے فسادِ اعظم دنیا کا اصلاح پذیر ہوا جس نے توحید گم گشتہ اور ناپدید شدہ کو پھر زمین میں قائم کیا جس نے تمام مذاہب باطلہ کو حجت اور دلیل سے مغلوب کر کے ہر ایک گمراہ کے شبہات مٹائے جس نے ہر ایک ملحد کے وسواس دور کئے اور سچا سامان نجات کا کہ جس کے لئے کسی بے گناہ کو پھانسی دینا ضروری نہیں (—) اصول حقہ کی تعلیم سے از سر نو عطا فرمایا۔ پس اس دلیل سے اس کا فائدہ اور افاضہ سب سے زیادہ ہے اور اس کا درجہ اور رتبہ بھی سب سے زیادہ ہے اب تواریخ بتلاتی ہے۔ کتاب آسمانی شاہد ہے اور جن کی آنکھیں ہیں وہ آپ دیکھتے ہیں کہ وہ نبی جو بموجب اس قاعدہ کے سب نبیوں سے افضل ٹھیرتا ہے۔ وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔"

(براہین احمدیہ صـ۹۷ حاشیہ ۶)

"وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے۔ اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں یک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا کچھ جانتے ہو وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس امی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔"

(برکات الدعا)

وہ پاک اور کامل تعلیم قرآن شریف کی ہے جو انسانی درخت کی ہر ایک شاخ کی پرورش کرتی ہے۔ اور قرآن شریف صرف ایک پہلو پر زور نہیں ڈالتا۔ بلکہ کبھی تو عفو اور درگذر کی تعلیم دیتا ہے مگر اس شرط سے کہ عفو کرنا قرین مصلحت ہو۔ اور کبھی مناسب محل اور وقت کے مجرم کو سزا دینے کے لئے فرماتا ہے۔ پس درحقیقت قرآن شریف خدا تعالیٰ کے اس قانونِ قدرت کی تصویر ہے جو ہمیشہ نظر کے سامنے ہے۔ یہ بات نہایت معقول ہے کہ خدا کا قول اور فعل دونوں مطابق ہونے چاہئیں۔ یعنی جس رنگ اور طرز پر دنیا میں خدا تعالیٰ کا فعل نظر آتا ہے ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ کی سچی کتاب اپنے فعل کے مطابق تعلیم کرے۔ نہ یہ کہ فعل سے کچھ اور ظاہر ہو اور قول سے کچھ اور ظاہر ہو۔ خدا تعالیٰ کے فعل میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ نرمی اور درگذر نہیں بلکہ وہ مجرموں کو طرح طرح کے عذابوں سے سزایاب بھی کرتا ہے۔ ایسے عذابوں کا پہلی کتابوں میں بھی ذکر ہے۔ ہمارا خدا صرف حلیم خدا نہیں بلکہ وہ حکیم بھی ہے اور اس کا قہر بھی عظیم ہے۔ سچی کتاب وہ کتاب ہے جو اس کے قانونِ قدرت کے مطابق ہے اور سچا قولِ الٰہی وہ ہے جو اس کے فعل کے مخالف نہیں۔ ہم نے کبھی مشاہدہ نہیں کیا کہ خدا نے اپنی مخلوق کے ساتھ ہمیشہ حلم اور درگذر کا معاملہ کیا ہو اور کوئی عذاب نہ آیا ہو" (چشمہ مسیحی صـ۱۲-۱۳ طبع اول)

"قرآن شریف جو آنحضرت ؐ کے اتباع کا مدار علیہ ہے ایک ایسی کتاب ہے جس کی متابعت سے اسی جہان میں آثار نجات کے ظاہر ہو جاتے ہیں کیونکہ وہی کتاب ہے کہ جو دونوں طریق ظاہری اور باطنی کے ذریعہ سے نفوسِ ناقصہ کو مرتبہ تکمیل پہنچاتی ہے اور شکوک اور شبہات سے خلاصی بخشتی ہے ظاہری طریق سے اس طرح پر کہ بیان اس کا ایسا جامع دقائق و حقائق ہے کہ جس قدر دنیا میں ایسے شبہات پائے جاتے ہیں کہ جو خدا تک پہنچنے سے روکتے ہیں جن میں مبتلا ہو کر صدہا چھوٹے فرقے پھیل رہے ہیں اور صدہا طرح کے خیالاتِ باطلہ گمراہ لوگوں کے دلوں میں جم رہے ہیں۔ سب کا رد معقولی طور پر اس میں موجود ہے اور جو جو تعلیم حقہ اور کاملہ کی روشنی ظلمت موجودہ زمانہ کے لئے درکار ہے وہ سب آفتاب کی طرح اس میں چمک رہی ہے اور تمام امراضِ نفسانی کا علاج اس میں مندرج ہے اور تمام معارف حقہ کا بیان اس میں بھرا ہوا ہے اور کوئی دقیقہ علم الٰہی نہیں کہ جو آئندہ کسی وقت ظاہر ہو سکتا ہے اور اس سے باہر رہ گیا ہو۔ اور باطنی طریق سے اس طور پر کہ اس کی کامل متابعت دل کو ایسا صاف کر دیتی ہے کہ انسان اندرونی آلودگیوں سے بالکل پاک ہو کر حضرت اعلیٰ سے اتصال پکڑ لیتا ہے اور انوار قبولیت اس پر وارد ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور عنایات الٰہیہ اس قدر اس پر احاطہ کر لیتی ہیں کہ وہ مشکلات کے وقت دعا کرتا ہے تو کمال رحمت اور عطوفت سے خداوند کریم اس کا جواب دیتا ہے اور بعض اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ اگر وہ ہزار مرتبہ ہی اپنی مشکلات اور ہجوم غموں کے وقت میں سوال کرے تو ہزارہا مرتبہ ہی اپنے مولا کریم کی طرف سے نہایت فصیح اور لذیذ اور متبرک کلام میں محبت آمیز جواب پاتا ہے اور (—) الٰہی بارش کی طرح اس پر برستا ہے اور وہ اپنے دل میں محبتِ الٰہیہ کو ایسا بھرا ہوا پاتا ہے جیسا ایک نہایت صاف شیشہ ایک لطیف عطر سے بھرا ہوتا ہے اور انس اور شوق کی ایک ایسی پاک لذت اس کو عطا کی جاتی ہے کہ جو اس کے سخت سخت نفسانی زنجیروں کو توڑ کر اور اس دخانستان سے باہر نکال کر محبوب حقیقی کی ٹھنڈی اور دل آرام ہوا سے اس کو ہر دم اور ہر لحظہ تازہ زندگی بخشتی رہتی ہے۔ پس وہ اپنی وفات سے پہلے ہی ان عنایات الٰہیہ کو بچشمِ خود دیکھ لیتا ہے جن کے دیکھنے کے لئے دوسرے لوگ بعد مرنے کے امیدیں باندھتے ہیں اور یہ سب نعمتیں کسی راہبانہ محنت اور ریاضت پر موقوف نہیں۔ بلکہ صرف قرآن شریف کے اتباع سے دی جاتی ہیں اور ہر ایک طالب صادق ان کو پا سکتا ہے۔"

(براہین احمدیہ)

"اب ہم فائدہ عام کے لئے کچھ استجابت دعا کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ استجابت دعا کا مسئلہ درحقیقت دعا کے مسئلہ کی ایک فرع ہے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص نے اصل کو سمجھا ہوا نہیں ہوتا اس کو فرع کے سمجھنے میں پیچیدگیاں واقع ہوتی ہیں اور دھوکے لگتے ہیں۔ بس یہی سبب سید صاحب کی غلط فہمی کا ہے اور دعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے رب میں ایک تعلقِ جاذبہ ہے۔ یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے۔ سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے۔ پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ تب اس کی روح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوتِ جذب جو اس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب اللہ جلشانہ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً اگر بارش کے لئے دعا ہے تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبعیہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں اور اگر قحط کے لئے بد دعا ہے تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دعا میں ایک قوتِ تکوین پیدا ہو جاتی ہے یعنی باذنہٖ تعالیٰ وہ دعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤید مطلوب ہے۔

خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں۔ بلکہ اعجاز کی بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابتِ دعا ہی ہے اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ اولیاء ان دنوں تک عجائبات کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دعا ہے۔ اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرتِ قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں۔"

مستحق طلباء کی امداد کیلئے عطیات بھجوائیں

شعبہ امداد طلباء مستحق، نادار اور یتیم طلباء کی تعلیمی امداد کے لئے صدر انجمن احمدیہ کے بجٹ میں مشروط بآمد کے طور پر ہے۔ اس کے اخراجات، عطیات اور صدقات کے ذریعے پورے کئے جاتے ہیں۔

شعبہ امداد طلباء مخیر حضرات کی اعانت کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے۔

عطیات اور صدقات کی رقوم اس وضاحت کے ساتھ کہ یہ رقم بابت صدقہ برائے امداد طلباء ہے۔ براہ راست بنام نگران امداد طلباء یا خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں مد امداد طلباء بھجوا کر ممنون فرمائیں۔

(ناظر تعلیم صدر انجمن احمدیہ)

حضرت امام جماعت احمدیہ (الرابع) ایدہ اللہ تعالیٰ کی زندگی

تعلق باللہ کے بعض ایمان افروز واقعات

جلسہ سالانہ برطانیہ ۱۹۹۱ء کے اختتامی خطاب میں سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ (الرابع) ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تعلق باللہ کے ضمن میں احمدی احباب کے بعض ایمان افروز واقعات سنائے۔ آخر میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی زندگی کے چند ایسے ہی ایمان افروز واقعات ارشاد فرمائے۔ حضور کے خطاب کا یہ نہایت ہی دلچسپ اور یادگار حصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ (الرابع) ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:۔

"میں آپ کو چند واقعات، بعض باتیں سمجھانے کے لئے بتاتا ہوں۔

۱۹۷۸ء کی بات ہے کہ جب میں نے امریکہ اور یورپ کا ذاتی سفر کیا۔ میرے ساتھ میری بیوی اور دو بچیاں تھیں جب میں امریکہ پہنچا تو مجھے بتایا گیا کہ جن علاقوں میں تم جا رہے ہو وہ بہت خطرناک ہیں اور ان دنوں میں کالوں اور گوروں کے درمیان خاص طور پر تناؤ پایا جاتا تھا اور انہوں نے مجھے کہا کہ چونکہ تمہارا رنگ بھی کچھ سفیدی کی طرف مائل ہے اس لئے ہمیں خطرہ یہ ہے کہ جب تم کار کا شیشہ اتار کر کسی سے بات کرو گے تو کوئی تمہیں STAB کر دے گا (خنجر مار دے گا) اس لئے پوری احتیاط کرو۔ بہرحال میں نے سیر تو کرنی تھی ڈرنا تو بہرحال نہیں تھا۔ مگر خدا تعالیٰ کی طرف دعا کے لئے توجہ مائل ہوئی اور نماز میں میں نے دعا شروع کی اور یہ عجیب بات ہوئی کہ اس نماز میں پہلی مرتبہ جب میں سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورۃ پڑھنے لگا تو پہلی مرتبہ میں نے بے اختیار یہ سورۃ پڑھی (۔) کہ ہم نے قریش کی دلداری کے لئے ہاں ہاں ان کی دلداری کے لئے یہ نظام جاری کیا ہے کہ قافلے سردیوں میں بھی مکے کی طرف آتے ہیں اور گرمیوں میں بھی مکے کی طرف آتے ہیں (۔) پس اس خانہ کعبہ کے رب کی عبادت کیا کرو۔ جس نے ان کو بھوک سے نجات بخشی اور کھانا کھلایا (۔) اور خوف سے امن عطا فرمایا اور خوف سے نجات بخشی۔ چونکہ یہ ایک بے اختیاری کی کیفیت میں میری زبان پہ جاری ہوئی اس لئے اسے دنیا کی نظر میں تو (خدائی خبر) کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن میرے دل میں یہ یقین تھا کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے (خدائی خبر کے رنگ میں) میری زبان پر جاری ہوئی ہے اور اب اسی طرح ہوگا۔ چنانچہ میں نے سب احمدیوں کو جو مجھے ڈراتے تھے ان کو کہا کہ مجھے کوئی فکر نہیں ہے نہ میں اس سفر میں بھوکا رہوں گا نہ مجھے کوئی خوف ہوگا اور خدا اپنے فضل سے غیر معمولی (باتیں) ظاہر کرے گا۔ جو بات میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر بسا اوقات بعض دفعہ انسان کے منہ پہ ایک بات جاری ہو جاتی ہے اور وہ حسن ظنی کرتے ہوئے سمجھتا ہے کہ (خدائی خبر) ہے۔ فرق یہ ہے کہ اگر وہ (خدائی خبر) ہے تو بعینہٖ اسی طرح وہ باتیں پوری ہوتی ہیں۔ یہ نہیں کہ دل کا خیال ہے کہ مجھے (خدائی خبر ہو گئی) اور انسان اپنے مقام بڑھانا شروع کر دے بلکہ جب وہ باتیں پوری ہو بھی جائیں تب بھی اپنے مرتبے کی طرف خیال نہیں جانا چاہیئے بلکہ خدا کے مرتبے کی طرف خیال جانا چاہیئے۔ جو لوگ اس معاملے میں غلطی کرتے ہیں بسا اوقات ٹھوکر کھا جاتے ہیں اور ہلاک ہوتے ہیں اس لئے میں اپنی ساری زندگی کے تجربے کا خلاصہ آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ جب بھی خدا تعالیٰ اپنے فضل کا کوئی نشان ظاہر کرے آپ ہرگز اپنی بڑائی کا تصور قریب بھی نہ پھٹکنے دیں۔ بلکہ اپنے گناہوں کی زندگی پر نظر ڈالا کریں اور شرمندہ ہو جایا کریں اور یہ سمجھا کریں کہ ہم کہاں۔ کیڑی کے گھر نرائن آنے والی بات ہے بلکہ اس سے بھی بہت بڑھ کر۔ تو یہ جو رجحان ہے یہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے (صاحب ایمان) کی حفاظت کرتا ہے۔ چنانچہ میں نے بھی یہ بیان تو کیا مگر ہرگز تعلّی کے رنگ میں نہیں بلکہ ایک نشان کے طور پر اور یہ سمجھانے کے طور پر کہ دیکھو اب اللہ تعالیٰ اس سفر میں مجھ سے کیا سلوک فرماتا ہے۔ چنانچہ اس کے بہت سے واقعات ہیں۔ میں ایک واقعہ خصوصیت کے ساتھ شکاگو میں پیش آنے والا آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

شکاگو کے خطرناک حالات

جب میں شکاگو کے لئے تیاری کر رہا تھا تو میرے ایک پرانے لاہور کے زمانے کے احمدیہ ہوسٹل کے ایک ساتھی نے مجھے فون کیا اور انہوں نے کہا کہ آپ کو پتہ نہیں کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ وہ علاقہ جہاں آپ جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ یعنی ایک ایسے احمدی کے گھر ٹھہرنے کا فیصلہ کیا ہے جو سیاہ فام ہے۔ اس علاقے میں حال ہی میں بہت سے قتل ہوئے ہیں اور آپ اول تو وہاں ٹھہرنے کا خیال ہی ترک کر دیں۔ دوسرے یہ کہ اگر آپ نے جانا ہے تو ہر وقت ٹوپی پہنیں تاکہ آپ کو کوئی امریکن نہ سمجھ بیٹھے۔ لباس میرا وہی لباس تھا کوٹ پتلون وغیرہ۔ اس لئے ان کو خطرہ تھا کہ کوئی مجھے امریکن ہی نہ سمجھ بیٹھے اور ساتھ یہ کہ کبھی شیشہ نہ اتاریں لیکن پھر میری نصیحت یہ ہے کہ آپ وہاں جانے کا خیال چھوڑ دیں۔ میں نے ان کو کہا کہ تمہاری نصیحت کا شکریہ میں وہیں جاؤں گا۔ اسی احمدی کے گھر ٹھہروں گا اور میں اس لعنتی رسم کو مٹانا چاہتا ہوں کہ گویا پاکستانی احمدی (اللہ پناہ دے) سیاہ فام امریکن احمدیوں سے ذرا بالا مخلوق ہیں۔ میں نے کہا یہ نہایت لعنتی خیال ہے تم احمدیت کے لئے شدید نقصان کا موجب بن رہے ہو۔ یہ لوگ پہلا حق رکھتے ہیں کیونکہ اس ملک کے لوگ ہیں۔ تم یہاں مہمان ہو۔ تمہارا فرض ہے کہ ان کے ساتھ عزت کے ساتھ پیش آؤ انہوں نے (حضرت بانی سلسلہ) کے پیغام کو عزت دی ہے اس لئے یہ محترم لوگ ہیں اور عزت کے محتاج ہیں۔ اس لئے اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ خوشخبری نہ بھی نصیب ہوئی ہوتی تو میرا خود ہی فیصلہ یہ تھا کہ میں انہی کے گھر جا کر ٹھہروں گا اور دیکھوں گا کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ اب سنیئے لطیفہ! یعنی پُر لطف لطیفہ ان معنوں میں کہ بڑی پُر لطف بات ہے۔ بہرحال خدا تعالیٰ نے احتیاط کا حکم دے رکھا ہے اور یہ نہیں کوئی کہہ سکتا کہ مجھے (خدائی خبر مل گئی ہے) میں احتیاط سے بالا ہو گیا ہوں۔ چنانچہ جب میں شکاگو کے لئے روانہ ہوا تو میں نے اپنی بیوی اور بچیوں کو یہ بتایا کہ میں صرف یہ احتیاط کروں گا کہ میں کسی سے رستہ نہیں پوچھوں گا اور رات کے ڈیڑھ بجے ہم شکاگو میں داخل ہو رہے تھے۔ میں نے کہا کہ میں کسی سے رستہ نہیں پوچھوں گا۔ چلتا چلا جاؤں گا اور وہ سڑک جس کے دونوں طرف شکاگو واقع ہے تقریباً ۸۰ سے ۹۵ میل تک کے درمیان پھیلی ہوئی ہے اور اتنا بڑا شہر

ہے کہ اس کے دونوں طرف وہ شہر واقع ہے۔ میں کسی سے یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ مجھے دائیں مڑنا ہے یا بائیں مڑنا ہے۔ میں چلتے چلتے کسی طرف مڑ جاؤں گا اور پھر آگے جا کر مزید اس کے متعلق کسی سے کچھ نہیں پوچھوں گا اور پھر کسی طرف مڑ جاؤں گا اور پھر کسی طرف مڑ جاؤں گا، اور یہ دعا کرتا ہوا چلوں گا کہ اے خدا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اس وعدے کو پورا فرما۔ تا کہ ثابت ہو کہ میرے دل کا وہم نہیں ہے اور پھر جہاں خدا میرے دل میں ڈالے گا وہاں رکوں گا۔ چنانچہ آپ اندازہ کریں۔ جس نے تنگا کو دیکھا ہے اس کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ کتنا عجیب فیصلہ تھا۔ چلتے چلتے بالآخر ایک مقام پر پہنچ کر سڑک پر میں نے کہا کہ اب میں دائیں طرف مڑنے لگا ہوں۔ دائیں طرف مڑ گیا۔ وہاں سے کئی سڑکیں چھوڑیں پھر میں نے کہا اب میں فلاں طرف مڑنے لگا ہوں، فلاں طرف مڑ گیا۔ پھر میں نے کہا اچھا اب میں اس طرف مڑنے لگا ہوں وہاں مڑ گیا۔ پھر آخر میں نے کہا کہ یہ پٹرول پمپ ہے۔ جہاں میں ٹھہرنے لگا ہوں۔ اور اس پٹرول پمپ پہ ٹھہر گیا۔ آدھی رات کا وقت تھا اور وہاں بہت سے شرابی اور لفنگے نظر آنے والے لوگ جو خطرناک دکھائی دیتے تھے وہ اکٹھے ہونے شروع ہو گئے۔ انہوں نے ایک اجنبی کی کار دیکھی اور ان کو دلچسپی پیدا ہوئی۔ میرے پاس اس وقت ٹوٹے ہوئے پیسے بھی نہیں تھے کہ میں فون کر سکتا لیکن اللہ تعالٰے نے ایک لڑکی کو جو نشے میں مست تھی اس کے دل کو نرم کر دیا۔ وہ دوڑی ہوئی میری طرف آئی اور اس نے کہا "تمہیں فون کی ضرورت ہے؟" میں نے کہا ہاں ضرورت ہے۔ میں نے کہا میرے پاس ٹوٹے ہوئے پیسے نہیں ہیں۔ اس نے کہا پیسوں کی فکر نہ کرو۔ مجھے بتاؤ۔ تم خود نہ اترو۔ مجھے بتاؤ میں فون ملاتی ہوں اور جب فون مل جائے تو میں تمہیں بتاؤں گی تم آ کر بات کر لینا۔ ان کو میں نے اپنی (بیت الذکر) کا فون نمبر دیا جس کا مجھے بتایا گیا تھا۔ وہاں جب فون ہوا تو نور دین صاحب افریقن احمدی (—) تھے جو ٹیکسی چلانے کا کام کرتے تھے وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے مجھے بلا لیا اشارے سے کہ آ جاؤ بات کر لو۔ جب میں نے بات کی۔ تو نور دین صاحب یا نور احمد صاحب نے مجھے کہا کہ تم کہاں ہو؟ میں نے کہا کہ مجھے پتہ نہیں آپ اس لڑکی سے پوچھیں۔ لڑکی نے انہیں بتایا کہ یہ فلاں پٹرول پمپ پہ ہیں۔ اس نے کہا کہ اچھا! یہ تو پانچ منٹ کا فاصلہ ہے صرف! میں ابھی آیا!!۔ اور تم ان لوگوں سے نہ الجھنا! بہت خطرناک لوگ ہیں۔ چنانچہ میں ابھی کار میں جا کر بیٹھا ہی تھا لوگ ارد گرد اکٹھے ہو رہے تھے کہ اچانک روشنی ہوئی اور وہ کار وہاں پہنچ گئی اور ان کو دیکھ کر لوگ پیچھے ہٹے اور میں ان کی کار کے پیچھے چل پڑا۔ اور خدا کے فضل سے عین وقت پر وہاں پہنچ گیا۔

یہ اتفاقات نہیں ہیں

اب دیکھنے والی بات یہ ہے کہ آپ یہ تجربہ دنیا کے کسی چھوٹے شہر میں بھی کر کے دیکھ لیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ مایوس ہونگے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا

لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے یہ مزید یقین دلانے کے لئے کہ اللہ کا فیض تھا، یہ اتفاقات کا مجموعہ نہیں تھا۔ سارے سفر میں مجھ سے یہی سلوک فرمایا۔ اس کی ایک مثال ہالینڈ کا واقعہ میں نے ابھی سنایا ہے۔ ہالینڈ میں اس طرح ہوا کہ جب میں ہالینڈ پہنچا تو آدھی رات کا وقت تھا۔ اکثر میں سفر لمبے کرتا تھا۔ بعض دفعہ چھ چھ سو سات سات سو میل کا سفر کرتا تھا اس کے نتیجے میں اکثر راتوں کو ہی پہنچا کرتا تھا۔ تو وہاں بھی قریباً ڈیڑھ دو بجے کی بات تھی (بیت الذکر) کا مجھے پتہ نہیں تھا کہاں ہے۔ رات بیت چکی تھی۔ سب لوگ سوئے ہوئے تھے تو میں نے بی بی سے کہا، آصفہ سے، کہ تم دیکھنا ابھی اللہ میاں کچھ انتظام کرے گا۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک سائیکل سوار نوجوانوں کا گروہ ظاہر ہوا۔ میں نے کار وہاں ٹھہرا کر ایک نوجوان سے پوچھا تمہیں انگریزی آتی ہے اس نے کہا۔ آتی ہے میں نے کہا تمہیں احمدیہ (بیت الذکر) کا پتہ ہے۔ اس نے کہا کہ یہ تو ہمارے ساتھ ہی ہے۔ آؤ ہمارے پیچھے پیچھے چلو۔ تو سارے سائیکل سوار میری کار کے آگے لگ گئے اور (بیت الذکر) پہنچا کے چھوڑا۔ خدا کے فضل سے۔

اس کے بعد بہت وسیع اور بہت دلچسپ تجارب ہوئے لیکن ان تجارب کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ خدا نے بھوکا رہنے دیا نہ خدا تعالیٰ نے خوف کو غالب آنے دیا۔ جب خطرات ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بچایا۔ جب غیر معمولی تائید کی ضرورت پیش آئی۔ اللہ تعالٰے نے تائید مہیا فرمائی۔

ناروے میں بھی وہی بات

اب سنیئے ایک ہی قسم کے واقعات مختلف شہروں میں کس طرح اتفاقاً ہو سکتے ہیں۔ میں ناروے گیا وہاں مجھے مقصود صاحب کے ہاں ٹھہرنا تھا اور رات وہاں دیر میں پہنچا اسی طرح اوسلو شہر میں رات قریباً ساڑھے بارہ ایک بجے کے قریب پہنچا۔ اب مجھے وہاں کی زبان نہیں آتی وہاں اکثر لوگوں کو انگریزی نہیں آتی۔ جس پہلے شخص سے میں نے پوچھا کہ تمہیں انگریزی آتی ہے؟ اس نے کہا ہاں! آتی ہے۔ میں نے کہا میں اس ایڈریس پہ (ایڈریس میرے پاس لکھا ہوا تھا) یہ دیکھو، یہاں جانا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ میں تو ان کا ہمسایہ ہوں۔ میں پیدل جا رہا تھا۔ مجھے ساتھ بٹھا لو میں تمہیں وہاں لے جاؤں گا"۔

(اس موقعہ پر احباب جماعت نے (حضرت امام جماعت احمدیہ (الرابع) زندہ باد کے پرجوش نعرے لگانے شروع کئے تو حضور نے فرمایا) "اللہ کے فضل کے گیت گائیں۔ خدا کی تکبیر بلند کریں" (چنانچہ احباب نے بے اختیار ہو کر زبردست دینی نعرے بلند کئے۔ جن کا حضور نے بھی جواب دیا) آخر میں حضور نے فرمایا،

تعلق باللہ کے نشان زندہ رکھیں

"احمدی کو اپنا مقام معلوم ہونا چاہیئے۔ آپ کا مقام دلائل پر واقع نہیں ہے۔ دلائل پہ ایک اور عمارت تعمیر ہو چکی ہے۔ اور وہ روشنیوں کی عمارت ہے وہ خدا تعالیٰ سے تعلق کی عمارت ہے وہ بالا خانے ہیں جن کا (ایمان والوں) کو وعدہ دیا گیا ہے۔ آپ ایک شجرۂ طیبہ ہیں اپنے اس مقام کو یاد رکھیں۔ آپ کی جڑیں زمین میں پیوستہ ہیں لیکن آپ کی شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں"۔

حضور نے فرمایا۔ "آج آپ میں بھی اس سچائی کے نشان زندہ رہنے چاہئیں کل آپ کی نسلوں میں بھی سچائی کے یہ نشان زندہ رہنے چاہئیں۔ آپ کا وجود مٹ جائے مگر خدا کے لئے یہ دعائیں کریں اور یہ کوشش کریں کہ یہ نشان نہ مٹیں اور ہمیشہ احمدیت کے امتیازی نشان کے طور پر تعلق باللہ قائم اور زندہ اور پائندہ رہے۔ دنیا کے لئے ہم صرف دلیلیں پیش نہ کریں بلکہ اپنے وجودوں کو خدا نما وجود کے طور پر پیش کرتے چلے جائیں۔ اگلی نسلیں بھی ہم سے فیض حاصل کریں اور ہمارے وجودوں میں خدا کو دیکھیں۔ اگلی صدیاں بھی ہم سے فیض حاصل کریں اور ہمارے وجودوں میں خدا کو دیکھیں۔ خدا کرے کہ یہ تعلق باللہ ہمیشہ قائم رہے یہ ایسا تعلق ہے کہ جان دے کر اور سب کچھ نثار کر کے بھی حاصل ہو تو اس لائق ہے کہ اسے حاصل کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

میرے خطبے میرے الفاظ میں جماعت کے افراد تک پہنچائے جائیں

سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کا ایک اہم ارشاد

"جماعت کی عدم تربیت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ساری جماعت تک ائمہ کے خطبے نہیں پہنچتے۔ میں جب زور دیتا ہوں کہ میرے لفظوں میں جماعت تک یہ آواز پہنچایا کرو تو مجھے ذرا بھی اپنے خطبے پڑھوانے کا شوق نہیں ہے۔ (ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں)۔

اگر یہ (اللہ کی پناہ) دکھاوا ہے تو میں اس دکھاوے پر لعنت ڈالتا ہوں مگر میں جانتا ہوں، میرا دل جانتا ہے کہ بڑی محنت کے ساتھ، بڑے سوچ بچار اور دعاؤں کے ساتھ میں ایک تربیت کا پروگرام بناتا ہوں۔ مہینوں اس پروگرام پر وقت خرچ کرتا ہوں اور میرا دل چاہتا ہے کہ ہر احمدی میری آواز میں میری بات خود سن لے۔ اگر (اردو) نہیں سمجھ سکتا تو اس کے ترجمے اس تک پہنچ جائیں اور ان ترجموں کو سن کر وہ فائدہ اٹھائے کیونکہ وہ الفاظ دل کی گہرائی سے نکلتے ہیں۔ خواہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ان میں کیسے ہی نقص کیوں نہ ہوں لیکن بڑا فرق ہے اور سچے دل کے درد سے جو بات اٹھتی ہے، اس کا اور اثر ہوتا ہے۔ مگر بعض امراء ایک مخفی تکبر کی وجہ

باقی صفحہ ۸ پر

سیدنا حضرت فضل عمر (اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ سے راضی رہے) کے ارشادات

ربوہ میں پہلا جلسہ سالانہ

حضرت فضل عمر اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ سے راضی رہے نے ربوہ میں پہلے جلسہ کے انعقاد کے بعد خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲ اپریل ۱۹۴۹ء میں فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے رحم کے ساتھ جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ اس سال ہم اس جگہ پر کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کو آئندہ جماعت احمدیہ کا مرکز بنانے کی تجویز ہے۔ بظاہر حالات میں اس جگہ پر اس سال جلسہ سالانہ کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ جیسا کہ میں نے اپنے ایک خطبہ میں بیان کیا تھا جماعت کے دوستوں نے مجھے کثرت سے لکھنا شروع کر دیا تھا کہ اس سال ربوہ میں جلسہ سالانہ کرنا نامناسب ہے کیونکہ شدت کی گرمی کی وجہ سے لوگ وہاں ٹھہر نہیں سکیں گے اور پھر یہ فصلوں کے دن ہیں اور کٹائی کی وجہ سے لوگ کثرت سے اس جلسہ پر نہیں آ سکیں گے۔ پھر نئی جگہ ہے وہاں رہائش کا کوئی بندوبست نہیں۔ پانی وغیرہ کی دقت ہے۔ یہ باتیں مجھے بھی نظر آتی تھیں مگر میں جب قادیان سے آیا ہوں۔ میں یہ جانتا تھا کہ ۱۹۴۹ء کا جلسہ سالانہ ہم کسی ایسی جگہ کریں گے جس کو ہم اپنا کہہ سکیں گے۔ چنانچہ اس دفعہ جلسہ سالانہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا کہ کرسمس کی تعطیلات کی بجائے ایسٹر ہولی ڈیز میں کیا جائے۔ لیکن جب جلسہ سالانہ کے ایسٹر ہالی ڈیز میں کرنے کی تجویز ہو گئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس سال جلسہ سالانہ دسمبر کی بجائے اپریل میں منعقد ہو تو لوگوں نے یہ وہم کرنا شروع کر دیا کہ وہاں گرمی ہو گی۔ کھانے پینے اور رہائش کی دقت ہو گی۔ پہلے خیال تھا کہ ایسٹر کی تعطیلات مارچ میں ہوں گی۔ اور مارچ کا موسم اچھا ہوتا ہے۔ زیادہ گرم نہیں ہوتا۔ لیکن جب ایسٹر کی تعطیلات اپریل میں نکلیں یا یوں کہو کہ جب علم ہوا کہ ایسٹر کی تعطیلات اپریل میں ہوں گی تو لوگوں کے دلوں میں شبہ پیدا ہونا شروع ہوا کہ اس دفعہ وہاں جلسہ کرنا ناممکن ہے لیکن جو امید ہمارے ذہن میں تھی اس کے خلاف لوگ بہت زیادہ تعداد میں آئے۔ ہمارا خیال تھا اس دفعہ جلسہ سالانہ پر صرف دس ہزار آدمی آ سکیں گے۔ کیونکہ ایک تو موسم اچھا نہیں گرمی زیادہ تھی پھر یہ فصلوں کا وقت تھا۔ اور کٹائیاں ہو رہی تھیں۔ اور زمیندار کٹائی چھوڑ کر جلسہ پر نہیں آ سکتے تھے پھر بعض لوگ اس لئے بھی نہ آ سکے کہ نئی جگہ ہونے کی وجہ سے وہاں رہائش کا مناسب انتظام نہ تھا۔ لیکن تقسیم پرچی سے جو اندازہ لگایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین ہزار پانچ سو کے قریب وہ عورتیں تھیں جن کے کھانے کا انتظام لجنہ اماء اللہ کے ماتحت کیا جاتا تھا اور دس ہزار چھ سو کے قریب وہ پرچی تھی جس کا انتظام مردوں کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ اس طرح یہ تعداد پندرہ ہزار کے قریب ہو جاتی ہے۔ لیکن ڈیڑھ ہزار کے قریب وہ لوگ تھے جو کھانے کی پرچی میں شمار نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ وہ جلسہ سننے کے لئے تو آ جاتے تھے مگر کھانے کے وقت واپس چلے جاتے تھے مثلاً احمد نگر میں چھ سات سو آدمی ٹھہرے ہوئے تھے۔ جو جلسہ سننے کے لئے آتے تھے اور پھر چلے جاتے تھے۔ کھانا ربوہ میں نہیں کھاتے تھے۔ اسی طرح بعض لوگ چنیوٹ میں بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ چنیوٹ میں بھی کافی احمدی بستے ہیں۔ کچھ تو فسادات کے بعد آ کر وہاں بس گئے ہیں اور کچھ وہاں کے باشندے ہیں۔ بہرحال سات آٹھ سو کے قریب وہ لوگ تھے جو چنیوٹ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اور جلسہ سننے کے لئے روزانہ ربوہ آ جاتے تھے۔ اور چلے جاتے تھے۔ وہاں کھانا نہیں کھاتے تھے۔ احمد نگر اور چنیوٹ کے علاوہ بعض دوسری جگہوں سے بھی لوگ صرف جلسہ کے وقت آتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک دو سو آدمی لائل پور سے بھی ایسا آتا تھا۔ پھر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے کھانے کا اپنا انتظام کیا ہوا تھا۔ مثلاً سو کے قریب ہمارے ہی خاندان کے افراد تھے۔ جن کے کھانے کا اپنا انتظام تھا۔ اس طرح پندرہ سو سے دو ہزار تک ان لوگوں کی تعداد ہو جاتی تھی۔ جو لنگر کے انتظام کے ماتحت کھانا نہیں کھاتے تھے۔ بلکہ ان کا اپنا انتظام تھا۔ اس تعداد کو ملا کر سترہ ہزار کے قریب ایسے لوگ تھے جو اس سال جلسے میں شامل ہوئے اور ان مخالف حالات کے باوجود شامل ہوئے کہ جن کے ہوتے ہوئے بعض کہتے تھے کہ اس سال وہاں جلسہ سالانہ نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ بعض مخالف ایسے تھے جنہوں نے ان مخالف حالات کی وجہ سے یہ پیش گوئیاں کرنی شروع کر دی تھیں کہ یہ جلسہ سالانہ اس سال نہیں ہو سکے گا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنا خاص فضل نازل کیا اور جلسہ ہوا۔ اور صرف ہوا ہی نہیں بلکہ اس کامیابی کے ساتھ ہوا کہ لوگ حیران رہ گئے۔ چنانچہ اتنے لوگوں کا وہاں آ جانا تو حسن ظن کے ماتحت بھی ہو سکتا ہے لیکن جو تکلیفیں اور مشکلات وہاں تھیں۔ ان کے باوجود لوگوں کا وہاں رہنا اور ان کو خوشی سے برداشت کرنا یہ ایسی چیز تھی جو تائید الٰہی کے بغیر نہیں ہو سکتی تھی۔ مثلاً پہلے دن ہی سوا دو بجے رات تک بہت سے لوگ ایسے تھے جنہیں کھانا نہیں ملا تھا۔ مجھے ساڑھے بارہ بجے کے بعد یہ آوازیں آنی شروع ہو گئیں کہ ٹھہرو! ابھی کھانا دیتے ہیں۔ ٹھہرو! ابھی کھانا دیتے ہیں۔ میں نے ایک آدمی لنگر خانے بھجوایا اور اس طرح مجھے معلوم ہوا کہ روٹیاں ابھی پہنچی ہی نہیں کچھ روٹیاں پہنچی ہیں لیکن وہ بہت تھوڑے لوگوں کو مل سکی ہیں۔ میں خود وہاں گیا اور لنگر خانہ کے کارکنوں سے پوچھا کہ روٹی کا ابھی تک کیوں انتظام نہیں ہو سکا اس پر مجھے بتایا گیا کہ ہماری تمام کوششیں بالکل ناکام ہو چکی ہیں۔ اس میں کچھ منتظمین کا بھی قصور تھا کیونکہ مجھے بتایا گیا تھا کہ اس دفعہ ۶۰ تندور لگائے جائیں گے لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ صرف ۴۰ تندور لگائے گئے ہیں۔ بہرحال چونکہ عام طور پر یہ خیال تھا کہ جلسے پر بہت کم لوگ آئیں گے اس لئے تندور کم لگائے گئے۔ باورچی بھی کم تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر کام کا بوجھ زیادہ پڑا۔ گرمی کا موسم تھا۔ جو شیڈ بنائے گئے تھے وہ کم تھے۔ صرف ایک طرف دیوار کھینچی ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے ہوا نہیں آتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نو (۹) باورچی بیہوش ہو گئے۔ ان کو دیکھ کر باقی باورچیوں نے کام چھوڑ دیا اور کہہ دیا کہ ہم اپنی جان کو مصیبت میں کیوں ڈالیں۔ اس وجہ سے نو دس بجے تک روٹی کا کوئی انتظام نہ ہو سکا بلکہ اس وقت تک ان کو کام کرنے کی طرف کوئی رغبت ہی نہ تھی۔ تھوڑے سے چاول ابالے گئے اور وہ صرف بچوں کو دئے گئے۔ پھر جوں توں کر کے روٹی کا انتظام کیا گیا۔ اور صبح کے پانچ بجے تک روٹی تقسیم ہوتی رہی اور وہ بھی بہت تھوڑی تھوڑی۔ حالانکہ بعض لوگ ایسے بھی تھے کہ جنہیں دوپہر کو بھی کھانا نہیں ملا تھا اور وہ رات بھی انہوں نے بغیر کھانے کے گذار دی۔ مگر بجائے اس کے کہ ان کی طبائع میں شکوہ پیدا ہوتا۔ انہوں نے اس تکلیف کو بخوشی برداشت کیا۔ پھر دوسرا دن بھی اسی طرح گذرا۔ دوسرے دن بھی کھانا تیار کرواتے کی بظاہر کوئی صورت نہیں تھی۔ آخر میں نے افسروں کو سرزنش کی اور انہیں مختلف تدابیر بتائیں اپنے بیٹوں کو اس کام پر لگایا اور بالآخر بعض ایسی تدابیر نکال لی گئیں جن کے ذریعے اگر پیٹ بھر کر نہیں تو کچھ نہ کچھ کھانے کو ضرور مل گیا۔ مثلاً ہمارے ملک میں ایک آدمی کی عام غذا تین روٹی ہے لیکن میں نے یہ فیصلہ کیا کہ بجائے تین تین روٹی کے دو دو روٹیاں دی جائیں۔ پھر یہ تدبیر بھی اختیار کی گئی کہ نان بائیوں سے ٹھیکہ کر لیا گیا کہ اگر وہ اتنا کھانا تیار کر دیں تو انہیں مزدوری کے علاوہ انعام بھی دیا جائے گا۔ اس طرح ان غریب آدمیوں نے لالچ کی وجہ سے کام کیا اور ہمارے جلسہ کے دن گذر گئے۔

غرض ان تکلیفوں کے باوجود ہمارے لوگوں کا بشاشت کے ساتھ وہاں بیٹھے رہنا بتاتا ہے کہ یہ محض خدا تعالیٰ کے فضل سے تھا۔ پانی کے جو ہم نے نلکے لگوائے تھے۔ وہ تمام ناکام ہو گئے۔ البتہ پانی کے لئے جو سرکاری انتظام کیا تھا۔ اس سے بہت کچھ فائدہ ہوا۔ لیکن پانی استعمال کرنے کی ہمارے لوگوں کو جتنی عادت ہوتی ہے۔ اتنا پانی پھر بھی مہیا نہ ہو سکا۔ رہائش کی یہ حالت تھی کہ جن بیرکوں میں ساڑھے چار ہزار عورتوں کو رکھا گیا تھا۔ ان کے متعلق دیکھنے والا یہ تسلیم ہی نہیں کرتا تھا کہ ان بیرکوں میں اتنی عورتیں رہ سکتی ہیں جن بیرکوں میں عورتوں کو ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ کل سولہ تھیں ان میں اگر لوگوں کو پاس پاس بھی سلا دیا جائے تو صرف دو ہزار آدمی آ سکتا ہے لیکن جلسہ پر جو عورتیں وہاں ٹھہری

تھیں وہ ساڑھے چار ہزار کے قریب تھیں۔ یہ اس طرح ہوا کہ انہوں نے سامان اندر رکھ دیا اور آپ باہر سو کر گذارا کر لیا۔ مردوں کا حال اس سے بھی بُرا تھا۔ تمام مرد بیرکوں کے اندر سو نہیں سکتے تھے۔ اس لئے مردوں کو عورتوں سے زیادہ تکلیف ہوئی۔ کچھ گنجائش اس طرح بھی نکل آئی کہ میری تحریک کے ماتحت بعض اپنے ساتھ بانس، کیلے اور سوتلی لے آئے تھے اور خیمے خود لگا کر انہوں نے جلسہ کے دن گذارے مجلس خدام الاحمدیہ کی طرف سے بھی یہ تحریک کر دی گئی تھی چنانچہ میں نے جب جلسہ کے انتظامات دیکھنے کے لئے چکر لگایا تو بہت سے خیمے لگے ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ سو ڈیڑھ سو کے قریب ہوں گے۔ پھر کچھ لوگ چنیوٹ ٹھہر گئے اور کچھ لوگ احمد نگر ٹھہر گئے۔ اور اس طرح گذارہ ہو گیا غرض اللہ تعالیٰ کے فضل سے باوجود مخالف حالات اور مختلف تکالیف اور مشکلات کے خدا تعالیٰ کی وہ خبر جس کو میں پہلے تعبیری طور پر سمجھتا تھا عملی طور پر بھی ثابت ہوئی اور وہی جو خیال کرتے تھے کہ اس سال جلسہ سالانہ نہیں ہو سکے گا انہیں بھی اقرار کرنا پڑا کہ اس جگہ رہائش کرنے کی وجہ سے لوگوں کی صحت پر بُرا اثر نہیں پڑا۔ بلکہ اچھا ہی پڑا۔ آندھیاں سارا دن چلتی رہتی تھیں اور گرد سارا دن آنکھوں میں پڑتی تھی۔ لیکن لاہور میں میرا ابھی یہی حال تھا کہ مجھے آنکھوں میں تکلیف تھی۔ میرا یہ حال تھا کہ مجھے آنکھوں میں اتنی تکلیف تھی کہ کئی بار دوائی لگوانی پڑتی تھی۔ درد کی وجہ سے مجھے شبہ ہو گیا تھا کہ کہیں کوئی بیماری ہی نہ ہو۔ دن میں چار پانچ دفعہ مجھے لوشن ڈالنا پڑتا تھا۔ تب جا کر کہیں میری حالت قابل برداشت ہوتی تھی۔ لیکن ربوہ میں ۹ دن کے قیام میں مجھے صرف دو دفعہ لوشن ڈلوانا پڑا اور پہلے سے میری آنکھیں اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ حالانکہ سارا دن مٹی آنکھوں میں پڑتی رہتی تھی۔ اسی طرح وہاں کے پانی کے متعلق ڈاکٹری رپورٹ یہ تھی کہ وہ زہریلا ہے۔ اور انسان کے پینے کے ناقابل ہے۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ بجائے اس کے کہ وہ پانی ہم پر بُرا اثر ڈالے اچھا اثر ڈالتا رہا۔ وہ بدمزہ ضرور تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میں نے مقابلہ میں پانی پی لیا یعنی دوسرا پانی میں نے پہلے پی لیا اور پھر وہاں کے نلکوں کا پانی پی لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قریباً سوا گھنٹے تک منہ کا ذائقہ خراب رہا لیکن باوجود اس کے کہ ڈاکٹری رپورٹ اس پانی کے متعلق یہ تھی کہ وہ انسان کے پینے کے قابل نہیں اس پانی نے بجائے تکلیف پہنچانے کے ہمیں فائدہ پہنچایا۔ جب میں لاہور سے گیا میرے معدے میں سخت تکلیف تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے میری انتڑیوں پر فالج گر رہا ہے۔ لیکن وہاں میری طبیعت اچھی ہو گئی۔ اجابت بھی اچھی ہوتی رہی صرف آخری دن اسہال آنے شروع ہو گئے اور بیس کے قریب اسہال آئے لیکن باقی دنوں میں میری طبیعت اچھی رہی۔ میری بیوی ام ناصر نے بتایا کہ یہاں لاہور میں میں ایک دفعہ کھانا کھایا کرتی تھی۔ لیکن ربوہ میں دونوں وقت کھانا کھاتی رہی۔ آج لاہور آ کر پھر ایک دفعہ کھانا کھا رہی ہوں۔ اسی طرح کئی اور دوستوں نے بتایا کہ ربوہ کے پانی نے ان کی صحتوں پر اچھا اثر ڈالا ہے۔ اور باوجود گرد و غبار اڑنے کے ان کی آنکھوں کو آرام آ گیا۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہاں واپس آ کر میری آنکھوں میں پھر تکلیف شروع ہو گئی یہاں اب تک میں دو تین دفعہ دوائی ڈلوا چکا ہوں۔ غرض خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ایسے سامان کر دیئے کہ بجائے اس کے کہ اچھا کھانا نہ ملنے کی وجہ سے ہماری صحت پر کوئی برا اثر پڑتا ہماری صحت پر اچھا اثر پڑا۔ بجائے اس کے کہ وہاں پانی اچھا نہ ملنے کی وجہ سے ہماری صحتوں پر اثر پڑتا۔ ربوہ کے پانی نے ہماری صحتوں پر اچھا اثر ڈالا بجائے اس کے کہ گرد و غبار اڑنے کی وجہ سے ہماری آنکھیں خراب ہوتیں ہماری آنکھیں پہلے سے بھی اچھی ہو گئیں۔ وہاں کے قیام میں آنکھوں میں اتنی گرد پڑی کہ اگر سال بھر کی گرد کو جمع کیا جائے تو اتنی نہ ہو گی۔ لیکن اس گرد و غبار نے ہماری آنکھوں کو اور بھی منور کر دیا۔ اسی طرح روٹیوں اور سالن کے مہیا کرنے میں بہت سی مشکلات تھیں۔ لیکن وہی روٹیاں جو کچی ہوتی تھیں بجائے اس کے کہ ہمارے معدوں کو خراب کرتیں ان کے کھانے سے ہمارے معدوں میں اور زیادہ طاقت محسوس ہونے لگ گئی پھر علاقہ نیا تھا۔ اس وجہ سے بھی بعض دقتوں کا احتمال تھا۔ مگر اس میں بھی خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہوا اور وہاں دعوت الی اللہ کثرت سے ہوئی۔ قادیان کے جلسوں پر ضلع جھنگ کے صرف چالیس پنتالیس آدمی آیا کرتے تھے۔ لیکن اس جلسہ پر سب سے زیادہ آنے والے جھنگ کے لوگ تھے۔ لجنہ اماء اللہ نے جو عورتوں کی تعداد کے متعلق ضلع وار رپورٹ دی اس کے مطابق جلسہ پر آنے والی ایک ہزار پندرہ عورتیں ایسی تھیں جو ضلع جھنگ سے آئی تھیں۔ چونکہ ہم نئے نئے وہاں گئے تھے اردگرد کے لوگوں نے ہمارے متعلق باتیں سنیں تو وہ جلسہ پر آ گئے اس طرح دعوت الی اللہ کے لئے ایک اور راستہ نکل آیا۔ میرے ایک عزیز لالیاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ربوہ میں چونکہ رہائش کا خاص انتظام نہیں تھا اس لئے وہ لالیاں ٹھہر گئے اور ڈاک بنگلہ ریزرو کروا لیا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ جب وہ سٹیشن پر رخصت ہونے لگے تو ایک پٹھان شور مچا رہا تھا۔ وہ پٹھان قادیان نہیں آیا تھا۔ لیکن ربوہ کا جلسہ اس نے دیکھا تھا۔ چونکہ یہ لوگ اسلامی ممالک کے قریب رہتے ہیں۔ اس لئے اسلامی باتوں کا ان کے دلوں پر اچھا اثر ہوتا ہے۔ اس عزیز نے بتایا کہ وہ پٹھان شور مچا رہا تھا کہ ایسا جلسہ ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی ایسی تقریر ہم نے پہلے سنی ہے۔ اس کے پاس کوئی مولوی طرز کا کوئی آدمی کھڑا تھا اس نے کہا کہ یہ لوگ تو کافر ہیں۔ ان کا جلسہ کیا اور ان کی تقریریں کیسی اس نے کہا کہ وہ کافر نہیں ہو سکتا۔ وہ تو ۱۰۰ بکرا روز کھلاتا ہے وہ کافر کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ اسلامی تہذیب کا اثر تھا جو اس پٹھان کی طبیعت پر ہوا۔ پٹھان ایک مہمان نواز قوم ہے۔ اس نے جب جلسے پر مہمان نوازی کا انتظام دیکھا تو اس کی طبیعت پر بہت اچھا اثر ہوا۔ اسی طرح پونچھ کے علاقہ کی ایک عورت میری ایک بیوی کے پاس آئی۔ پہاڑی علاقہ کے لوگ عام طور پر مہمان نواز ہوتے ہیں لیکن وہ ایسے علاقہ کی تھی جو مہمان نواز نہیں تھا۔ وہ عورت میری ایک بیوی کے پاس آئی ان سے کہا کہ ہمارے ہاں تو مہمان آتے تو چارپائی الٹ دیتے ہیں اور مہمان کو کھانا نہیں کھلاتے۔ آپ تو ساروں کو کھانا دیتے ہیں۔ بہرحال نئی جگہ اور نیا علاقہ ہونے کی وجہ سے کئی نئے لوگوں کو ہماری باتوں کے سننے کا موقعہ ملا۔

بقیہ : صـ ۶ سے آگے

سے اس طرف توجہ نہیں دیتے چنانچہ بعض عہدیدار جو سلسلے کے مربی ہیں اور انہی کو امیر مقرر کیا گیا ہے یا عہدے دیئے گئے ہیں۔ تو سب سے پہلے ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ان باتوں پر عمل کریں لیکن مخفی تکبر سے مراد یہ ہے کہ ان کو پتہ ہی نہیں کہ وہ متکبر ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ (امام) وقت کی بات پہنچ گئی، ٹھیک ہے ہم جو اس کا خلاصہ تیار کر دیتے ہیں، بس وہی کافی ہے اور ہم نے بات پہنچا دی اور فرض پورا کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں کئی نسلیں تباہ ہو سکتی ہیں۔ ان کو یہ پتہ نہیں کہ وہ کتنا بڑا بوجھ اٹھا رہے ہیں۔ کتنی بڑی ذمہ داری قبول کر رہے ہیں"۔

(فرمودہ : ۶ ستمبر ۱۹۹۱ء)

ماریشس میں جماعت احمدیہ

محمد اسماعیل منیر

ستمبر ۱۹۸۸ء میں حضرت امام جماعت احمدیہ عالمگیر نے ماریشس کا دورہ بھی فرمایا جہاں ایک پتھر پر Le Boute de la Monde "یہ دنیا کا کنارہ ہے" صدیوں قبل کا لکھا ہوا ہر ایک مشاہدہ کر سکتا ہے۔ وہاں ہمارے پیارے آقا نے حسن اتفاق سے دو جمعے پڑھائے دوسرے خطبہ جمعہ میں ماریشس میں کام کرنے والے رفقاء حضرت مسیح موعود مکرم حضرت حافظ صوفی غلام محمد صاحب حضرت حافظ عبید اللہ صاحب حضرت حافظ جمال احمد صاحب کے ذکر خیر کے بعد فرمایا۔

"یہاں مدبرین اور مفکرین سے ملاقات کے نتیجہ میں معلوم ہوا کہ سب سے اچھا تاثر اسماعیل منیر صاحب نے چھوڑا ہے۔ کوئی نہیں ملا جو ان کے وقت میں تھا (۲۵/۲۰ سال قبل ناقل)، اور اس نے محبت سے ان کا ذکر نہ کیا ہو۔ عیسائیوں اور ہندوؤں نے بھی ان کا ذکر کیا۔ سیاسی لیڈروں عدلیہ کے ججوں نے بھی ذکر کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کے ماحول میں کوشش کرتے رہے۔ اور اچھے تاثرات چھوڑ گئے ہیں اس لئے خصوصیت سے مولانا اسماعیل منیر صاحب کو دیگر مخلصین کے ساتھ یاد رکھنا چاہیئے۔ ہمارے اسیران راہ مولیٰ میں ان کا بیٹا بھی شامل ہے۔ الیاس منیر واقف زندگی ہے بہت نیک صفات، مخلص، وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے والا نوجوان ہے۔ ان میں اخلاص ایمان، اور استقامت، کی ایسی روشنی پائی جاتی ہے کہ ان کے خطوط کو دیکھ کر انسان آنحضرت ؐ پر درود بھیجنے لگتا ہے کہ کس طرح ان کو زندہ ایمان بخش دیا ہے"

(ماہنامہ انصار اللہ نومبر ۱۹۸۸ء)

ایک سوال :۔ جشن تشکر والے جلسہ سالانہ U.K میں عاجز کو بھی بفضل اللہ تعالیٰ شامل ہونے کا موقعہ ملا۔ لنڈن پہنچتے ہی اس خادم کو اپنے آقا کی خدمت میں حاضری دینے کا موقع ملا۔ تو پہلا سوال ہی یہ تھا کہ ماریشس میں عوامی رابطہ میں کامیابی کیسے حاصل ہوئی ــــ جس پر میرا بے ساختہ جواب تھا کہ پیارے آقا (حضرت امام جماعت الثالث) کی دعاؤں کا پھل تھا جو آپ نے ربوہ سے میری روانگی پر دی تھی۔ اور بعد ازاں ہر اہم موقع پر ہماری درخواست پر رہنمائی کے ساتھ دعائیں بھی دیتے رہے۔

محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی تحریرات میں سے انتخاب

حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی

پاکیزہ سیرۃ و اخلاق

چند حسین و دلکش واقعات

محبت الٰہی

حضرت بانیٔ سلسلہ کے ایام جوانی کے شب و روز کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"سب سے اوّل اور سب سے مقدم محبت الٰہی کا نمبر آتا ہے۔ کیونکہ یہ وہ چیز ہے جو خالق و مخلوق کے باہمی رشتہ کا مضبوط ترین پیوند اور فطرت انسانی کا جزوِ اعظم ہے حضرت بانیٔ سلسلہ کی زندگی میں اس روحانی پیوند کا جس عجیب و غریب رنگ میں آغاز ہوا۔ اس کا تصور ایک صاحب دل انسان میں ایک وجد کی سی کیفیت پیدا کر دیتا ہے حضرت بانیٔ سلسلہ کا جوانی کا عالم تھا جبکہ انسان کے دل میں دنیوی ترقی اور مادی آرام و آسائش کی خواہش اپنے پورے کمال پر ہوتی ہے اور حضور کے بڑے بھائی صاحب ایک معزز عہدہ پر فائز ہو چکے تھے اور یہ بات بھی چھوٹے بھائی کے دل میں ایک گونہ رشک یا کم از کم نقل کا رجحان پیدا کر دیتی ہے ایسے وقت میں حضرت بانیٔ سلسلہ کے والد صاحب نے علاقہ کے ایک سکھ زمیندار کے ذریعہ جو ہمارے دادا صاحب سے ملنے آیا تھا حضرت بانیٔ سلسلہ کو کہلا بھیجا کہ آجکل ایک ایسا بڑا افسر بر سر اقتدار ہے جس کے ساتھ میرے خاصے تعلقات ہیں اس لئے اگر تمہیں نوکری کی خواہش ہو تو میں اس افسر کو کہہ کر تمہیں اچھی ملازمت دلا سکتا ہوں۔ یہ سکھ زمیندار حضرت بانیٔ سلسلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دادا صاحب کا پیغام پہنچا کر تحریک کی کہ یہ ایک بہت عمدہ موقع ہے اسے ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیئے حضرت بانیٔ سلسلہ نے اس کے جواب میں بلا توقف فرمایا۔ حضرت والد صاحب سے عرض کر دو کہ میں ان کی محبت اور شفقت کا ممنون ہوں۔ مگر "میری نوکری کی فکر نہ کریں۔ میں نے جہاں نوکر ہونا تھا نوکر ہو چکا ہوں"۔

یہ سکھ زمیندار حضرت دادا صاحب کی خدمت میں حیران و پریشان ہو کر واپس آیا اور عرض کیا کہ آپ کے بچے نے تو یہ جواب دیا ہے کہ میں نے جہاں نوکر ہونا تھا ہو چکا ہوں۔ شاید وہ سکھ زمیندار حضرت بانیٔ سلسلہ کے اس جواب کو اس وقت اچھی طرح سمجھا بھی نہ ہو گا مگر دادا صاحب کی طبیعت بڑی نکتہ شناس تھی۔ کچھ دیر خاموش رہ کر فرمانے لگے کہ "اچھا! غلام احمد نے یہ کہا ہے کہ میں نوکر ہو چکا ہوں تو پھر خیر ہے اللہ اسے ضائع نہیں کرے گا"۔

اور اس کے بعد بھی کبھی کبھی حضرت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ "سچا راستہ تو یہی ہے جو غلام احمد نے اختیار کیا ہے۔ ہم تو دنیا داری میں اُلجھ کر اپنی عمر ہی ضائع کر رہے ہیں"۔

آپ سفر میں ہوتے یا عدالت میں ہوتے یا اپنی رہائش گاہ پر۔ یادِ الٰہی سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں رہتے تھے۔ بلکہ زندگی کا ہر تغیر آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کا باعث بنتا تھا۔

ڈلہوزی کے سفروں کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے۔

"جب کبھی ڈلہوزی جانے کا مجھے اتفاق ہوتا تھا تو پہاڑی کے سبزہ زار حصوں اور بہتے ہوئے پانیوں کو دیکھ کر طبیعت میں بے اختیار اللہ تعالیٰ کی حمد کا جوش پیدا ہوتا، اور عبادت میں ایک مزہ آتا اور میں دیکھتا تھا کہ تنہائی کے لئے وہاں اچھا موقع ملتا ہے"۔

ایام جوانی میں بہاریں لوٹنے کی بجائے خدا تعالیٰ کے تصور میں یوں کھو جانا آپ کی اس سے محبت کا پتہ دیتا ہے۔ جو آپ کے قلبِ صافی میں بحرِ مواج کی شکل میں ہر دم موجزن رہتی تھی۔ آپ دست با کار و دلِ بایار کی مجسم تصویر اور عالمِ جوانی میں محبت الٰہی کے سانچے میں ڈھلا ہوا نفیس قلب تھے جس کے چہرہ مہرہ طرزِ گفتگو اور کردار سے روحانیت کا نور برستا تھا۔ جو ایک اجنبی انسان کو بھی مبہوت کر دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ڈلہوزی ہی کے سفر کا ایک واقعہ ہے کہ آپ ایک مقدمہ کے سلسلہ میں پہاڑ پر یکہ میں بیٹھے سفر کر رہے تھے کہ راستہ میں بارش آگئی آپ اپنے ہم سفر ساتھی کے ساتھ یکے سے اُترے اور ایک پہاڑی آدمی کے مکان کی جانب تشریف لے گئے جو راستہ پر ہی واقع تھا آپ کے ساتھی نے آگے بڑھ کر مالک مکان سے اندر آنے کی اجازت چاہی مگر اس نے روکا۔ اس پر ان کی باہم تکرار ہو گئی اور مالک مکان تیز ہو کر گالیوں پر اُتر آیا۔

حضرت صاحب یہ تکرار سُنکر آگے بڑھے جونہی آپ کی اور مالک مکان کی آنکھیں ملیں تو پیشتر اس کے کہ آپ کچھ فرماتے اس نے اپنا سر نیچے ڈال لیا اور کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ میری ایک جوان لڑکی ہے اس لئے میں اجنبی آدمی کو گھر گھسنے نہیں دیتا مگر آپ بلیشک اندر آجائیں۔

اہلِ خانہ سے حُسنِ سلوک

مئی ۱۸۹۳ء کا واقعہ ہے جبکہ ڈپٹی عبداللہ آتھم سے امرتسر میں مباحثہ تھا ایک رات جبکہ خان محمد شاہ کے مکان پر بڑا مجمع تھا۔ اطراف سے بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے حضرت اس روز سر درد سے بیمار تھے۔ شام کو مشتاقانِ زیارت ہمہ تن چشمِ انتظار بنے ہوئے تھے۔ حضرت مجمع میں تشریف لائے۔ منشی عبدالحق صاحب لاہوری پنشنر نے (جو پہلے آپ سے بڑی محبت اور حُسنِ ظن رکھتے تھے مگر بعد میں الگ ہو گئے) آپ سے آپ کی بیماری کی تکلیف پوچھی اور پھر کہا۔ "آپ کا کام بہت نازک ہے اور آپ کے سر پر بھاری بوجھ ہے آپ کو چاہیئے کہ جسم کی صحت کی رعایت کا خیال رکھا کریں اور ایک خاص مقوّی غذا لازماً آپ کے لئے ہر روز تیار ہونی چاہیئے"

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا :۔

"ہاں یہ بات تو درست ہے اور ہم نے کبھی کبھی کہا بھی ہے۔ مگر عورتیں کچھ اپنے ہی دھندوں میں ایسی مصروف رہتی ہیں کہ اور باتوں کی چنداں پرواہ نہیں کرتیں"۔

اس پر منشی عبدالحق صاحب نے کہا کہ "اجی حضرت آپ ڈانٹ ڈپٹ کر نہیں کہتے اور رعب پیدا نہیں کرتے میرا یہ حال ہے کہ میں کھانے پینے کے لئے خاص اہتمام کیا کرتا ہوں اور ناممکن ہے کہ میرا حکم ٹل جائے اور میرے کھانے کے اہتمام میں سرِ مُو فرق آجائے ورنہ ہم دوسری طرح خبر لیں"۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے خیال کیا کہ یہ بات میرے محبوب آقا کے حق میں مفید ہے اس لئے بغیر سوچے سمجھے اس کی تائید کر دی۔ حضرت اقدس نے حضرت مولانا کی طرف دیکھا اور تبسم سے فرمایا :۔

"ہمارے دوستوں کو تو ایسے اخلاق سے پرہیز کرنا چاہیئے"۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب بڑے ذکی الحس تھے وہ فرماتے ہیں :۔

"بس خدا ہی جانتا ہے کہ میں اس مجمع میں کس قدر شرمندہ ہُوا اور مجھے سخت افسوس ہُوا"۔

(سیرت حضرت بانیٔ سلسلہ مصنفہ شیخ یعقوب علی عرفانی حصہ اوّل صفحہ ۵۲، ۵۳)

حضرت بانیٔ سلسلہ کا یہ فرمانا کہ ہمارے دوستوں کو تو ایسے اخلاق سے پرہیز کرنا چاہیئے اس اعلیٰ و ارفع مقام کی نشان دہی کرتا ہے جو چشم پوشی اور اہل سے لطف و کرم کا پہلو لئے ہوئے تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور حضرت اماں جان سے ناراض ہونا جانتے ہی نہ تھے۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں :۔

"میں نے اپنے ہوش میں نہ کبھی حضور کو (حضرت اماں جان) سے ناراض دیکھا نہ سُنا بلکہ ہمیشہ وہ حالت دیکھی جو ایک آئیڈیل (IDEAL) جوڑے کی ہونی چاہیئے۔ بہت کم خاوند اپنی بیویوں کی وہ دلداری کرتے ہیں جو حضور حضرت اماں جان کی فرمایا کرتے تھے اور آپ کو لفظ تم سے مخاطب فرمایا کرتے تھے اور ہندوستانی (یعنی اردو) میں ہی اکثر کلام کرتے تھے مگر شاذ و نادر پنجابی میں بھی حالانکہ بچوں سے اکثر پنجابی بولا کرتے تھے"۔

گُڑ کے چاولوں کا واقعہ

استانی سکینۃ النساء

صاحبہ اہلیہ حضرت قاضی محمد ظہور الدین اکمل نے بیان کیا کہ :۔

" ایک دفعہ حضرت اماں جان فرماتی تھیں کہ مَیں پہلے پہل جب دِلّی سے آئی تو مجھے معلوم ہُوا کہ حضرت بانیٔ سلسلہ گڑ کے میٹھے چاول پسند فرماتے ہیں۔ چنانچہ مَیں نے بہت شوق اور اہتمام سے میٹھے چاول پکانے کا انتظام کیا۔ تھوڑے سے چاول منگوائے اور اس میں چار گنا گُڑ ڈال دیا سو وہ بالکل راب سی بن گئی۔ جب پتیلی چُولہے سے اتاری اور چاول برتن میں نکالے تو دیکھ کر سخت رنج اور صدمہ ہُوا کہ یہ تو خراب ہو گئے اُدھر کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ حیران تھی کہ اب کیا کروں اتنے میں حضرت صاحب آ گئے میرے چہرے کو دیکھا جو رنج اور صدمہ سے رونے والوں کا سا بنا ہُوا تھا۔ آپ دیکھ کر ہنسے اور فرمایا کیا چاول اچھے نہ پکنے کا افسوس ہے۔ پھر فرمایا نہیں یہ تو بہت اچھے ہیں۔ میرے مذاق کے مطابق پکے ہیں ایسے زیادہ گڑ والے ہی تو مجھے پسندیدہ ہیں۔ یہ تو بہت ہی اچھے ہیں اور پھر بہت خوش ہو کر کھائیے۔

حضرت اماں جان فرماتی تھیں کہ حضرت صاحب نے مجھے خوش کرنے کی اتنی باتیں کہیں کہ میرا دل بھی خوش ہو گیا "۔

کھانے کی ذراسی اُونچ نیچ پر بگڑنے والے اور گھر والوں کو سخت سُست کہنے والے غور کریں کہ ان کا عمل کہاں تک اپنے آقا کے قول اور عمل کے مطابق ہے۔

حضور فرماتے ہیں۔

" چاہیئے کہ بیویوں سے خاوند کا ایسا تعلق ہو جیسے دو سچے اور حقیقی دوستوں کا ہوتا ہے۔ انسان کے اخلاق فاضلہ اور خدا تعالیٰ سے تعلق کی پہلی گواہ تو یہی عورتیں ہوتی ہیں۔ اگر ان ہی سے اس کے تعلقات اچھے نہیں ہیں تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ خُدا تعالیٰ سے صلح ہو "۔

بچوں سے محبت و دلداری

حضرت مولانا عبدالکریم بیان فرماتے ہیں :۔

" حضرت بچوں کو مارنے اور ڈانٹنے کے سخت مخالف ہیں۔ بچے کیسے ہی بسوریں، شوخی کریں، سوال میں تنگ کریں اور بے جا سوال کریں اور ایک موہوم اور غیر موجود شے کے لئے حد سے زیادہ اصرار کریں آپ نہ تو کبھی مارتے ہیں نہ جھڑکتے ہیں اور نہ کوئی خفگی کا نشان ظاہر کرتے ہیں۔ محمود کوئی تین برس کا ہو گا آپ لدھیانہ میں تھے مَیں بھی وہیں تھا گرمی کا موسم تھا۔ مردانہ اور زنانہ میں ایک دیوار حائل تھی آدھی رات کا وقت ہو گا جو مَیں جاگا اور مجھے محمودؔ کے رونے اور حضرت کے اِدھر اُدھر کی باتوں میں بہلانے کی آواز آئی۔ حضرت اسے گود میں لئے پھرتے تھے اور وہ کسی طرح چُپ نہیں ہوتا تھا۔ آخر آپ نے کہا دیکھو محمود! کیسا تارا ہے۔ بچہ نے نئے مشغلہ کی طرف دیکھا اور ذرا چُپ ہوا۔ پھر وہی رونا اور چلّانا اور یہ کہنا شروع کر دیا " ابّا تارے جانا "۔ کیا مجھے مزا آیا اور پیارا معلوم ہُوا آپ کا اپنے ساتھ یوں گفتگو کرنا۔ یہ اچھا ہُوا۔ ہم نے تو ایک راہ نکالی تھی اس نے اس میں بھی اپنی ضد کی راہ نکال لی۔ آخر بچہ روتے روتے خود ہی جب تھک گیا چپ ہو گیا مگر اس سارے عرصہ میں ایک لفظ بھی سختی کا یا شکایت کا آپ کی زبان سے نہ نکلا "۔

(سیرت حضرت بانیٔ سلسلہ از مولانا عبدالکریم صفحہ ۲۲-۲۳)

یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اولاد کی تربیت میں والدین اور بچوں کے درمیان بے تکلفی کا ماحول ضروری ہے کیونکہ اگر بے تکلّفی نہ ہو تو والدین کو بچوں کی کمزوریوں کا علم بھی نہ ہو سکے گا اور کمزوریوں کا علم نہ ہو گا تو ان کی اصلاح بھی نہ ہو سکے گی۔ اس محبت میں بھی حضرت بانیٔ سلسلہ کا اُسوہ ہمارے سامنے ہے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

" مکرم ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت بانی سلسلہ کبھی کبھی اپنے بچوں کو پیار سے چھیڑا بھی کرتے تھے اور وہ اس طرح سے کہ کبھی کسی بچہ کا پہنچہ پکڑ لیا اور کوئی بات نہ کی خاموش ہو رہے یا بچہ لیٹا ہوا ہو تو اس کا پاؤں پکڑ کر اس کے تلوے کو سہلانے لگے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میر صاحب کی اس روایت نے میرے دل میں ایک عجیب درد آمیز مسرت کی یاد تازہ کی ہے کیونکہ یہ پہنچہ پکڑ کر خاموش ہو جانے کا واقعہ میرے ساتھ بھی (ہاں اس خاکسار عاصی کے ساتھ جو خدا کے مقدس (...) کی جوتیوں کی خاک جھاڑنے کی بھی قابلیت نہیں رکھتا۔ کئی دفعہ گذرا ہے۔ (یہ اللہ کا فضل ہے جس کے ساتھ وہ چاہتا ہے کرتا ہے) ورنہ ہم کہاں بزم تہر یار کہاں "۔

(سیرۃ (...) حصہ دوم صفحہ ۲۲)

رشتہ داروں سے محبت کا انداز

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اقرباء سے حسن سلوک کا ایک بہت ہی پیارا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں :۔

" ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ابتدائی ایام کا ذکر ہے کہ والد بزرگوار (یعنی خاکسار کے نانا جان حضرت میر ناصر نواب صاحب نے اپنا ایک بانات کا کوٹ جو مستعمل تھا۔ ہمارے خالہ زاد بھائی سید محمد سعید کو جو اُن دنوں قادیان میں تھا کسی خادمہ عورت کے ہاتھ بطور ہدیہ بھیجا۔ محمد سعید نے نہایت حقارت سے وہ کوٹ واپس کر دیا اور کہا کہ مَیں مستعمل کپڑا نہیں پہنتا۔ جب وہ خادمہ یہ کوٹ واپس لا رہی تھی تو راستہ میں حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میر صاحب نے یہ کوٹ محمد سعید کو بھیجا تھا۔ مگر اس نے واپس کر دیا ہے کہ مَیں اُترا ہُوا کپڑا نہیں پہنتا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اس سے میر صاحب کی دل شکنی ہو گی تم یہ کوٹ ہمیں دے جاؤ ہم پہنیں گے اور ان سے کہہ دینا کہ مَیں نے رکھ لیا ہے "

یہ ایک انتہائی شفقت اور دلداری کا اظہار تھا کہ حضرت بانیٔ سلسلہ نے یہ مستعمل کوٹ خود اپنے لئے رکھ لیا تا حضرت نانا جان کی دل شکنی نہ ہو ورنہ حضرت بانی سلسلہ کو کوٹوں کی کمی نہ تھی حضور کے خدّام حضور کی خدمت میں بہتر سے بہتر کوٹ پیش کرتے رہتے تھے اور ساتھ ہی یہ انتہائی سادگی اور بے نفسی کا بھی اظہار تھا کہ دین کا بادشاہ ہو کر اُترے ہوئے کوٹ کے استعمال میں تأمّل نہیں کیا۔

مہمان نوازی

آپ کی مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ جہاں کوئی دوست آیا اور آپ کا چہرہ خوشی سے پھول کی طرح کھل گیا۔ مہمان کو اچھی جگہ بٹھاتے۔ اس کے متعلقین کی خیریت دریافت فرماتے اور جو کچھ وہ عرض کرتا بڑی توجہ سے سنتے۔ جو خدام مہمان نوازی کے کام پر متعین تھے ان کو بار بار فرماتے کہ مہمانوں کی خاطر تواضع میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ پھر خود بھی ذاتی توجہ ہر مہمان کے آرام اور اس کی ضروریات کے متعلق فرماتے۔ اگر کسی دوست نے کچھ عرصہ قیام کرنا ہوتا تو اس سے دریافت فرماتے کہ گھر میں وہ کیا کیا کھانے کھاتے تھے تا ان کی عادت کے مطابق خوراک کا انتظام فرما سکیں۔ مدتوں حضور دوستوں کے ساتھ مل کر باہر کھانا تناول فرمایا کرتے لیکن دراصل یہ ساتھ کھانا کھانے کی غرض کم اور خدمت کی غرض زیادہ رکھتا تھا۔ کھانے کے دوران خود اٹھ اُٹھ کر گرم چپاتی اندر سے لے کر آتے۔ کسی دوست کی خواہش کے اظہار پر اچار مربہ اندر سے لے آتے۔ حضور بہت کم خور تھے زیادہ وقت دوستوں کو کھلانے میں ہی گذرتا تھا۔ ایک دوست حافظ عظیم بخش صاحب پٹیالوی آنکھوں سے نابینا تھے وہ ذکر کیا کرتے تھے کہ حضرت اقدس مجھے اپنے ہاتھ سے لقمہ بنا کر دیتے اور مَیں کھاتا "۔

قاضی محمد یوسف صاحب جو عرصہ دراز تک صوبہ سرحد کے امیر رہے ہیں اور سلسلہ کے ایک مخلص خادم تھے بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مَیں اور عبدالرحیم خانصاحب پسر مولوی غلام حسین خان صاحب پشاوری (بیت الذکر) میں کھانا کھا رہے تھے جو حضرت صاحب کے گھر سے آیا تھا ناگاہ میری نظر کھانے میں ایک مکھی پر پڑی چونکہ مجھے مکھی سے طبعاً نفرت ہے مَیں نے کھانا ترک کر دیا اس پر حضرت کے گھر کی ایک خادمہ کھانا اُٹھا کر واپس لے گئی اتفاقاً ایسا ہُوا کہ اسی وقت حضرت اقدس اندرون خانہ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ خادمہ حضرت کے پاس سے گذری تو اس نے حضرت سے یہ ماجرا عرض کر دیا۔ حضرت نے فوراً اپنے سامنے کا کھانا اٹھا کر اس خادمہ کے حوالہ کر دیا کہ یہ لے جاؤ اور اپنے ہاتھ کا نوالہ بھی برتن میں ہی چھوڑ دیا۔ وہ خادمہ خوشی خوشی ہمارے پاس وہ کھانا لائی اور کہا کہ لو حضرت صاحب نے اپنا تبرک دے دیا ہے اس روایت کے لکھتے وقت ایک امر نے خاص طور پر مجھے متوجہ کیا وہ یہ کہ حضور کے رفقاء اپنے اخلاص فدائیت جذبۂ خدمت محبت اور وفا کے باوجود حضور سے ایسے بے تکلف تھے جیسے گھر کے دوست۔ حضور کی ذات ان کے لئے ایک ہوّا نہ تھی کہ خوف میں دبے جاتے ہوں۔ حضور کی مجالس میں بھی اور حضور کا ذکر کرتے ہوئے بھی صرف

باقی صفحہ ۱۳ پر

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب

کامل عدل کے پہلو

قرآن شریف ایک جگہ نئی طاقت پانے والی قوم کو مخاطب کرکے فرماتا ہے (سورۃ یونس) "یعنی اب ہم نے تمہیں تم سے پہلے گذرنے والی قوم کا قائمقام بنایا ہے تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس قسم کے اعمال بجالاتے ہو"۔ بتایا گیا کہ ہر حکومت اور ہر طاقت اپنے ساتھ دو پہلو رکھتی ہے ایک انعام کا پہلو جسے انگریزی میں (PRIVILEGE) کہتے ہیں اور دوسرے ذمہ داری کا پہلو جسے انگریزی میں (RESPONSIBILITY) کہتے ہیں۔ الفاظ "ہم نے تمہیں گذرنے والی قوم کا قائمقام بنایا"۔ انعام کے پہلو کی طرف اشارہ ہے اور الفاظ "تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس قسم کے اعمال بجالاتے ہو"۔ میں ذمہ داری کے پہلو کی طرف اشارہ ہے مگر افسوس ہے کہ اکثر لوگ انعام والے پہلو کے خمار میں دوسرے پہلو کو بھول جاتے ہیں۔ حالانکہ اصل چیز وہ ذمہ داری ہے جو ہر اس فرد اور اس قوم پر عائد ہوتی ہے جسے دنیا میں حکومت اور طاقت کا ورثہ ملتا ہے۔ (میں چند مشورے پیش کرنا چاہتا ہوں)

حکومت کے عہدے صرف اہلیت کی بناء پر تقسیم ہونے چاہئیں

قرآن شریف فرماتا ہے اور کن مقدس اور زوردار الفاظ میں فرماتا ہے کہ:۔ (سورۃ نساء) "یعنی اللہ تعالے تمہیں حکم دیتا ہے کہ حکومت کے عہدے ایک مقدس امانت ہیں۔ یہ امانتیں ان لوگوں کے سپرد کیا کرو جو اس کے اہل ہیں۔ اور پھر اے وہ لوگو جنہیں حکومت کی امانت سپرد ہو۔ تمہیں ہمارا یہ حکم ہے۔ کہ اپنے سب کاموں میں عدل پر قائم رہو۔ اور عدل کے رستہ سے کبھی ادھر ادھر نہ ہٹو"۔ اس آیت میں جو امانت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حدیث میں یوں بیان فرماتے ہیں:۔ (صحیح مسلم)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی ابوذر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ایک عہدہ کی درخواست کی۔ تو آپؐ نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ "اے ابوذر تم ایک کمزور انسان ہو۔ اور یہ حکومت کا عہدہ ایک امانت ہے۔ اور وہ قیامت کے دن ہر شخص کے لئے ذلت اور ندامت کا موجب ہوگا سوائے اس شخص کے جسے وہ اہلیت کی بناء پر سپرد کیا گیا ہو۔ اور پھر وہ اس کا حق ادا کرے"۔

بہرحال حکومت کے عہدوں کے متعلق یہ ایک نہایت زریں ہدایت ہے کہ وہ ایک امانت ہیں۔ اور یہ کہ اس امانت کو عدل کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے۔ قرآن شریف کا طریق ہے کہ وہ الفاظ تو مختصر استعمال کرتا ہے۔ مگر ان الفاظ کے پیچھے معانی کا ایک وسیع خزانہ مخفی ہوتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اس قرآنی آیت میں "امانت" اور "عدل" کے مختصر الفاظ میں ایک ایسا وسیع مضمون بھر دیا گیا ہے۔ کہ اگر اس معاملہ میں کوئی اور ہدایت نہ بھی ہوتی تو یہی دو مختصر الفاظ ایک حاکم کی کامیابی اور اسکی سرخروئی کے لئے کافی و شافی ہیں۔

سب سے پہلا سبق "امانت" کے لفظ میں ہے۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ امانت اس چیز کو کہتے ہیں جو ہماری ملکیت نہیں ہوتی بلکہ کسی دوسرے شخص کی طرف سے ہمیں عارضی طور پر حفاظت کے لئے ملتی ہے۔ پس پہلی ہدایت قرآن شریف کی یہ ہے کہ جب کسی شخص کو حکومت کا کوئی عہدہ سپرد ہو تو وہ اسے ایک مقدس امانت سمجھ کر ادا کرے اور ظاہر ہے کہ امانت کا مفہوم اپنے اندر دو پہلو رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ امانت ہے خدا کی طرف سے جو دنیا کا آخری حکمران ہے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ امانت ہے لوگوں کی طرف سے جو ایک شخص کو اپنا نمائندہ بنا کر حکومت کے عہدہ پر فائز کرتے یا کرواتے ہیں۔ پس ہر حاکم کا پہلا فرض یہ ہے وہ ہر وقت اپنے دل میں اس احساس کو قائم رکھے کہ میرا عہدہ میرے پاس ایک دوہری امانت کے طور پر ہے۔ یعنی اول وہ خدا کی امانت ہے کیونکہ میں نے بالآخر خدا کے سامنے اپنے سارے کاموں کا جواب دینا ہے۔ اور پھر وہ لوگوں کی امانت ہے۔ جن کا میں نمائندہ ہوں۔ اور جن کے سامنے میں دنیا میں جواب دہ ہوں۔ میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ اگر ہر عہدہ دار اس امانت والے احساس کو اپنے دل میں قائم کرلے اور پھر قائم کرنے کے بعد اسے زندہ رکھے تو ہمارے قومی کاموں میں اتنا بھاری تغیّر پیدا ہوسکتا ہے جو موجودہ حالات میں ہم خیال میں بھی نہیں لاسکتے۔ دیکھو یہ کتنا چھوٹا سا لفظ ہے۔ جو قرآن شریف نے استعمال کیا ہے۔ مگر یہ لفظ حکمت و معرفت سے کتنا لبریز ہے کہ گویا بجلی کا ایک بٹن دبانے سے سارا گھر آنِ واحد میں روشن ہوجاتا ہے۔ کاش لوگ اس نکتہ کو سمجھیں۔

حاکموں کا فرض ہے کہ وہ کامل عدل کا نمونہ بنیں

دوسری بات اس قرآنی آیت سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس شخص کے سپرد حکومت کا کوئی عہدہ ہو۔ اسے اپنے فرائض کی ادائیگی میں "کامل عدل" سے کام لینا چاہیئے۔ میں نے عدل کے ساتھ کامل کا لفظ اس لئے زیادہ کیا ہے کہ عربی محاورہ کے مطابق جب العدل کا لفظ بغیر کسی قید یا حد بندی کے آئے۔ تو اس کے معنے کامل اور وسیع عدل کے ہوتے ہیں۔ اور ایسا لفظ عدل کے ان سارے پہلوؤں پر حاوی ہے۔ جو لغت اور زبان کے محاورہ کے مطابق امکانی طور پر سمجھے جاسکتے ہیں۔ پس جب قرآن شریف یہ فرماتا ہے۔ کہ ہر حاکم کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں عدل سے کام لے۔ تو اس میں ہر قسم کا کامل عدل شامل سمجھا جائے گا۔ اب ہر شخص جانتا ہے۔ کہ عدل کئی قسم کا ہوتا ہے جن میں سے چار موٹی اور معروف قسمیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

کام کے ساتھ عدل

سب سے اوّل نمبر پر اپنے کام کے ساتھ عدل کرنا۔ یعنی اپنے فرض منصبی کو اس کے سارے حقوق کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ اور مختصر طور پر یہ حقوق تین قسم کے ہوتے ہیں۔ (الف) فن کی واقفیت۔ یعنی جو کام کسی کے سپرد کیا گیا ہے۔ اسکے ضروری اصولوں اور ضروری تفاصیل سے واقفیت پیدا کرنا۔ (ب) محنت یعنی کام کو انتہائی محنت اور جانفشانی کے ساتھ ادا کرنا۔ اور (ج) دیانت یعنی اپنے فرائض منصبی کو دیانتدارانہ اصول کے ماتحت سرانجام دینا۔ اب دیکھو کہ یہ کتنا وسیع مفہوم ہے جو اپنے کام کے ساتھ عدل کرنے سے تعلق رکھتا ہے مگر افسوس ہے کہ اکثر لوگ عدل کے مفہوم کو صرف دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنے تک محدود سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک بہت وسیع لفظ ہے۔ اور اس کا سب سے مقدم پہلو یہ ہے۔ کہ اپنے کام کے ساتھ عدل کیا جائے یہ ایسا ہی محاورہ ہے۔ جیسا کہ مثلاً ہم اردو میں کہتے ہیں۔ کہ فلاں شخص نے اپنے کام کا حق ادا کردیا ہے۔ پس عدل کا سب سے ضروری پہلو یہ ہے کہ کام کے ساتھ عدل ہو۔ جو شخص حکومت کا ایک عہدہ تو قبول کرلیتا ہے۔ مگر اس کے فن سے واقفیت پیدا نہیں کرتا۔ یا فن سے واقفیت تو پیدا کرتا ہے مگر محنت نہیں کرتا اور سستی میں وقت گذارتا ہے یا محنت بھی کرتا ہے۔ مگر دیانتدارانہ رویہ نہیں رکھتا تو وہ قرآنی محاورہ کے مطابق ہرگز عدل پر قائم نہیں سمجھا جاسکتا۔

حکومت اور پبلک کے درمیان عدل

عدل کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حکومت اور پبلک کے درمیان عدل کیا جائے۔ یعنی حکومت کے لئے پبلک کا کوئی حق نہ مارا جائے۔ اور پبلک کے لئے حکومت کے کسی حق پر دست درازی نہ کی جائے۔ اسلام ہر طبقہ کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے جن میں حکومت بھی شامل ہے اور پبلک بھی۔ پس جو حاکم حکومت کو خوش کرنے کے لئے پبلک کا حق مارتا ہے یا پبلک کو خوش کرنے کے لئے حکومت سے غداری کرتا ہے۔ وہ ہرگز ایک عادل حاکم نہیں سمجھا جاسکتا۔ کیونکہ اس نے ترازو کے دونوں پلڑوں کو برابر نہیں رکھا۔ اور کبھی اسے ایک طرف جھکا دیا۔ اور کبھی دوسری طرف۔

مختلف قوموں کے درمیان عدل

عدل کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ مختلف قوموں کے درمیان عدل کیا جائے ظاہر ہے کہ ہر حکومت میں مختلف قومیں اور مختلف پارٹیاں بستی ہیں اور شہریت کے حقوق رکھتی ہیں۔ اور اگر مذہب سب کا ایک بھی ہو پھر بھی مذہب کی اندرونی تقسیم کے لحاظ سے اور

اسی طرح سیاسی اور نسلی تفریق کی بناء پر مختلف قومیں اور مختلف پارٹیاں ہو سکتی ہیں۔ یہ سب پارٹیاں ملک میں شہریت کے حقوق رکھتی اور حکومت کی وفادار ہوتی ہیں۔ مگر ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی حاکم اپنے ذاتی رجحانات یا تعلقات کی وجہ سے کسی ایک قوم یا ایک پارٹی کی طرف زیادہ جھک جائے۔ اور دوسروں کے حقوق کا خیال نہ کرے۔ اس لئے اسلام عدل کے لفظ میں قوموں اور پارٹیوں کے حقوق کی طرف بھی اشارہ فرماتا ہے اور حاکموں کو ہوشیار کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تم کسی ایک قوم یا ایک پارٹی کی طرف ناواجب طور پر جھک کر دوسری قوم یا دوسری پارٹی کے حقوق کو نقصان پہنچا دو۔

افراد کے درمیان عدل

عدل کا چوتھا اور سب سے زیادہ معروف پہلو افراد کے درمیان عدل کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآن حکم دیتا ہے کہ جہاں تک حقوق کا سوال ہے۔ سب شہریوں کے ساتھ بلا لحاظ بڑے اور چھوٹے اور بلا لحاظ کمزور اور طاقتور کے یکساں انصاف کا معاملہ کیا جائے۔ اور ایسا نہ ہو کہ ایک بڑے شخص کی وجہ سے چھوٹے شخص کا نقصان ہو جائے۔ یا ایک طاقتور شخص کی لحاظ داری میں کمزور شخص کے حقوق نظر انداز کر دیئے جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ:-

"یعنی اے مسلمانو تم سے پہلے لوگوں کو اس بات نے ہلاک کر دیا کہ اگر ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو وہ اسے چھوڑ دیتے تھے اور اگر کوئی چھوٹا چوری کرتا تھا تو وہ اسے سزا دیتے تھے"۔ اور اس کے بعد آپؐ نے نہایت جلالی شان کے ساتھ فرمایا۔ کہ خدا کی قسم اگر میری لڑکی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو اس پر بھی شریعت کی مقرر کردہ سزا جاری کی جائے گی (صحیح مسلم)

اسی طرح حضرت ابوبکر خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کا یہ مشہور قول ہے۔ جو خلیفہ بننے کے بعد انہوں نے اپنی پہلی تقریر میں فرمایا کہ:-

"یعنی تم میں سے کمزور آدمی میری نظروں میں قوی ہوگا جب تک کہ میں اس کا وہ حق جو کسی اور نے اس سے چھینا ہوا ہو اسے واپس نہ دلا دوں۔ اور تم میں سے قوی شخص میرے نزدیک ضعیف ہوگا جب تک کہ میں اس سے وہ حق جو اس نے کسی اور سے چھینا ہوا ہوگا۔ واپس نہ لے لوں"۔ (ابن جریر) اللہ اللہ! کیا مبارک تعلیم ہے۔ مگر کتنے ہیں جو اس پر عمل کرتے ہیں!

یہ عدل کے وہ چار موٹے موٹے مثبت پہلو ہیں جن کی طرف قرآن شریف ہر حاکم کو توجہ دلا کر ہوشیار کرتا ہے یعنی (۱) کام کے ساتھ عدل (۲) حکومت اور پبلک کے درمیان عدل (۳) قوموں اور پارٹیوں کے درمیان عدل۔ اور (۴) بالآخر افراد کے درمیان عدل۔ اور ارشاد فرماتا ہے کہ وہ ان چاروں قسموں کے عدلوں پر قائم ہوتے ہوئے حکومت کے فرائض سرانجام دیں۔

عدل کے منفی پہلو

مگر قرآن ایک کامل کتاب ہے اور صرف مثبت کی تعلیم دے کر خاموش نہیں ہو جاتا۔ بلکہ منفی پہلو بھی بتاتا ہے جو اس رستہ کے خطرات کی صورت میں ایک حاکم کو پیش آ سکتے ہیں۔ چنانچہ اس تعلق میں سب سے پہلی تعلیم اسلام یہ دیتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ محبت کے بے جا غلبہ سے متاثر ہو کر انصاف کے رستہ سے ہٹ نہ جایا کریں۔ ظاہر ہے کہ محبت ایک ایسی چیز ہے کہ جب وہ انسان کے دل و دماغ پر ناواجب طور پر غالب ہو جائے خواہ یہ محبت اپنی جان کی ہو یا رشتہ داروں کی یا دوستوں کی یا کسی اور کی۔ تو وہ ایک ایسا ظلمت کا پردہ بن جاتی ہے جس کی وجہ سے انسان بسا اوقات ٹھوکر کھاتا اور عدل کے رستہ سے ہٹ جاتا ہے۔ پس قرآن ہمیں ہوشیار کرتا ہے کہ بیجا محبت کے غلبہ سے بچو اور اس کی وجہ سے عدل کا رستہ کسی صورت میں بھی نہ چھوڑو چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے کہ: (نساء: ۱۳۶)

"اے ایمان والو ہمیشہ عدل و انصاف پر قائم رہو اور خدا کی طرف نگاہ رکھتے ہوئے سچی سچی بات کہو۔ خواہ اس کا اثر تمہاری جانوں کے خلاف پڑتا ہو یا تمہارے ماں باپ کے خلاف پڑتا ہو۔ یا تمہارے دوسرے رشتہ داروں یا دوستوں کے خلاف پڑتا ہو"۔ اور کسی صورت میں بھی اپنے نفس کی خواہش کے پیچھے چل کر عدل و انصاف کے رستہ کو نہ چھوڑو۔ ورنہ یاد رکھو کہ خدا تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

دشمن کیساتھ بھی عدل ہونا چاہیئے

اسی طرح غضب اور غصہ کا بے جا غلبہ بھی ایک ظلمت کا پردہ ہے جو انسان کی آنکھوں سے اس کے فرائض کو اوجھل کر دیتا اور عدل کے رستہ سے ہٹا دیتا ہے۔ اس کے متعلق قرآن شریف فرماتا ہے:-

"اے ایمان والو تمہیں کسی قوم کی دشمنی ہرگز ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے معاملہ میں عدل و انصاف کے رستہ سے ہٹ جاؤ۔ بلکہ تمہیں ہر حال میں عدل پر قائم رہنا چاہیئے کیونکہ عدل کرنا تقویٰ کے قریب تر ہے (اور تقویٰ وہ جوہر ہے جو تمام نیکیوں کی جڑ ہے) پس خدا کا تقویٰ اختیار کرو کیونکہ خدا تمہارے اعمال کو جانتا اور دیکھتا ہے"۔

مستقل دشمنی تو الگ رہی قرآن عارضی غصہ کی حالت کے خلاف بھی مسلمانوں کو ہوشیار کرتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (ترمذی)

"یعنی کسی حاکم کے لئے جائز نہیں کہ وہ دو آدمیوں کے درمیان اس حالت میں کوئی فیصلہ کرے جبکہ وہ غصہ سے مغلوب ہو رہا ہو" بلکہ اسے چاہیئے کہ اس وقت تک انتظار کرے کہ اس کا غصہ دور ہو جائے خواہ یہ غصہ کسی وجہ سے پیدا ہوا ہو۔

رشوت کی لعنت جہنم کیطرف کھینچتی ہے

عدل کے رستہ میں ایک بھاری روک رشوت بھی ہے جو آج کل بدقسمتی سے بہت سے بے اصول حاکموں کے کام پر ایک خطرناک دھبہ ثابت ہو رہی ہے۔ اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں:- (طبرانی)

"یعنی رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں آگ میں ہیں"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ہیبت ناک الفاظ کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ دراصل رشوت ایک ایسا گندہ خلق ہے کہ دنیا کے ہر مذہب اور ہر ملک اور ہر قانون نے اسے ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ اس سے عدل و انصاف کے رستہ میں ایسا رخنہ پیدا ہو جاتا ہے جو نہ صرف لوگوں کے حقوق کو بلکہ اس اعتماد کو بھی جو انہیں حکومت پر ہونا چاہیئے تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ رشوت صرف ناجائز نقدی قبول کرنے کو ہی نہیں کہتے بلکہ ہر وہ چیز اور ہر وہ فائدہ جسے شرعاً یا قانوناً کسی کو حاصل کرنے کا حق نہیں اور جس کے نتیجہ میں حکومت کا کوئی حق مار کر افراد کو دے دیا جاتا ہے یا ایک قوم کا حق مار کر دوسری قوم کو دے دیا جاتا ہے یا ایک فرد کا حق مار کر دوسرے فرد کو دے دیا جاتا ہے وہ سب رشوت میں داخل ہے۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی رشوت دینے والے اور لینے والے دونوں کو فی النار قرار دیتے ہیں یہ ایک بہت بڑا انتباہ ہے۔ بشرطیکہ کوئی خدا کا بندہ اس انتباہ سے ڈرنے کے لئے تیار ہو۔

یکطرفہ بیان سُننے پر بھی رائے قائم نہیں کرنی چاہیئے

عدل کے قیام کے لئے ایک اور زریں ہدایت یہ ہے کہ کسی حاکم کو ایک ایسے معاملہ میں جو ایک سے زیادہ فریق کے ساتھ تعلق رکھتا ہے صرف ایک فریق کی بات سُن کر رائے قائم نہیں کرنی چاہیئے جب تک کہ سارے متعلقہ فریقوں کی بات نہ سن لی جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:- (ترمذی)

یعنی آپؐ نے حضرت علی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "جب تمہارے پاس دو آدمی جھگڑا کرتے ہوئے پہنچیں تو ایک آدمی کی بات سُن کر رائے قائم کرنے اور فیصلہ کرنے کی طرف جلدی نہ کیا کرو جب تک کہ تم دوسرے شخص کی بات بھی نہ سُن لو۔ اگر تم اس اصول پر عمل کرو گے تو تمہیں سچے فیصلوں کی طرف ہدایت حاصل ہوگی"۔ گویا عدل کے طریق سے ہٹنے کا یہ بھی ایک امکانی رخنہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں نے بند کر دیا۔

جلد بازی سے احتراز کرو

اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک اور سنہری ہدایت جاری فرماتے ہیں اور یہ ہدایت جلد بازی کی عادت سے تعلق رکھتی ہے بسا اوقات اچھے اچھے سمجھدار آدمی جو اگر ذرا سوچ سمجھ کر کام کریں تو حق کو پالیں۔ جلد بازی کی وجہ سے ٹھوکر کھاتے اور عدل و انصاف کے رستہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھٹکنے کے اس امکانی خطرہ کو بھی دیکھا اور اس کے متعلق فوراً اپنے مبارک کلام سے ایک شمعِ ہدایت مہیا فرما دی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:- (ابوداؤد)

اس حدیث کا آزاد ترجمہ یہ ہے کہ دینی احکام کے پورا کرنے میں تو جلدی کیا کرو۔ کیونکہ وہ خدا کی طرف سے فیصلہ شدہ ہدایتیں ہیں لیکن دنیوی باتوں میں جبکہ تم نے خود کوئی فیصلہ کرنا ہو تو خوب سوچ سمجھ کر آہستگی اور بُردباری سے قدم اٹھایا کرو۔ تاکہ جلد بازی کی ٹھوکر سے بچ جاؤ اور ٹھنڈے غور و خوض کے نتیجے میں صحیح فیصلہ کر سکو۔

خلافِ شریعت سفارشوں کا کرنا اور سُننا دونوں منع ہیں

سب سے آخر میں سفارش کا سوال آتا ہے ۔ سفارش بھی ذراسی غلطی سے بھاری ٹھوکر کا باعث بن جاتی ہے اور آج کل تو اس نے غلط استعمال کی وجہ سے گویا ایک لعنت کی صورت اختیار کرلی ہے ۔ مگر چونکہ یہ ایک لمبا سوال ہے اس لئے میں اس جگہ صرف ایک مختصر اشارہ پر اکتفا کروں گا ۔ اس تعلق میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ عدالتی اور قضائی امور میں دین نے سفارش کو ممنوع قرار دیا ہے یعنی جب کوئی معاملہ کسی قاضی یا جج یا مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہو جائے اور اس معاملہ میں عدالتی طریق پر کارروائی ہونی ہو تو ایسے معاملات میں قاضی یا جج یا مجسٹریٹ کے پاس سفارش کرنا جائز نہیں ۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (ابو داؤد) اور دوسری جگہ فرماتے ہیں (ابو داؤد)

"یعنی جو شخص ایسی سفارش کرتا ہے کہ اس کی سفارش خدا کی مقرر کردہ حدود میں روک ہو جاتی ہے تو وہ خدا کے منشاء کے خلاف چلنے والا ہے ۔ اور (پھر فرمایا کہ) مجھ تک پہنچنے سے پہلے آپس میں ایک دوسرے کو بے شک اگر مناسب دیکھو تو معاف کر دیا کرو ۔ مگر جب مجھ تک (یعنی قاضی یا جج تک) معاملہ پہنچ جائے تو پھر سفارش کا حلقہ ختم ہو کر شرعی فیصلہ واجب ہو جاتا ہے ۔"

اس کے مقابل پر انتظامی معاملات میں جبکہ کسی دوسرے فریق کے حقوق پر اثر نہ پڑتا ہو اور نیک نتائج کی توقع ہو سفارش ہو سکتی ہے اور اس کے متعلق قرآن شریف یہ اصولی ارشاد فرماتا ہے :-

(النساء آیت: ۸۶)

"یعنی جو شخص اچھی سفارش کرتا ہے تو وہ اس کے ثواب کا حصہ دار بنے گا مگر جو شخص بُری سفارش کرتا ہے تو وہ اسی طرح اس کے گناہ میں سے بھی حصہ پائے گا" یعنی جس سفارش کا اثر کسی دوسرے کے جائز حقوق پر نہ پڑتا ہو اور وہ اچھے نتائج پیدا کرنے والی ہو تو ایسی سفارش ایک نیکی کا کام ہے جس کے ثواب کا حصہ سفارش کرنے والے کو بھی پہنچے گا لیکن اگر سفارش کا اثر دوسروں کے جائز حقوق پر پڑتا ہو اور اس کے نتائج ملک و قوم کے لئے خراب نکلنے والے ہوں تو ایسی سفارش کرنے والا یہ خیال نہ کرے کہ اس نے ایک سفارش کر دی اور معاملہ ختم ہو گیا ۔ بلکہ ایسا شخص یاد رکھے کہ اس کی سفارش نے جو جو بھی بُرے نتیجے نکلیں گے اور جہاں جہاں تک بھی ان خراب نتائج کا اثر وسیع ہو گا سفارش کرنے والا ان سب نتائج کے گناہ کا حصہ دار بنے گا مگر افسوس ہے کہ آج کل پچانوے فیصدی سفارشیں نیک نتائج پیدا کرنے کی بجائے کمزور اور بے کس لوگوں کے خلاف ظلم اور حق تلفی کا آلہ بنی ہوئی ہیں ۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی سفارش کو قبول کرنے والا بھی عدل و انصاف کے رستہ سے ہٹ کر بھاری گناہ کا مرتکب ہوتا ہے ۔ کاش ہمارے ملک سے یہ روز افزوں لعنت دُور کی جا سکے !

لمبی عمر پانے کا نسخہ

اب صرف ایک آخری بات کہہ کر اپنے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں ۔ یہ آخری بات اس اصول سے تعلق رکھتی ہے کہ حکومتیں اور وزارتیں اپنی عمر کو کس طرح لمبا کر سکتی ہیں ۔ دنیا میں مرتی تو ہر چیز ہے ۔ مگر کیا یہ نظارہ ہمیں نظر نہیں آتا کہ کوئی بچہ ماں کے پیٹ میں ہی مر جاتا ہے ۔ کوئی دنیا میں آنکھیں کھولتے ہی دم توڑ دیتا ہے ۔ کوئی چار سانس لے کر ختم ہو جاتا ہے ۔ کوئی دو چار سال یا دس بیس سال کی زندگی گذارنے کے بعد اگلے جہان کا رستہ لے لیتا ہے ۔ کوئی عین عالمِ شباب میں جبکہ جوانی اپنے پورے زور میں ہوتی ہے ہمیشہ کی نیند سو جاتا ہے ۔ مگر کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اپنی طبعی عمر کو پہنچتا ہے اور نیک اعمال بجا لا کر دُنیا میں ایک عمدہ یادگار چھوڑ جاتا ہے ۔ یہی حال حکومتوں کا ہے ۔ وہ بھی کبھی تو پیدا ہوتے ہی مر جاتی ہیں اور کبھی اپنی جوانی کے زمانہ میں کاٹ دی جاتی ہیں مگر کبھی اپنی طبعی عمر پا کر اور اچھے کام کر کے جریدۂ عالم پر اپنا ہمیشگی کا نقش ثبت کر جاتی ہیں ۔ قرآن کریم اس کیمیاوی گُر کی طرف سے بھی غافل نہیں چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے :-

(سورۃ رعد آیت: ۱۸)

"یعنی دریائی جھاگ کی طرح کی فضول چیزیں جھاگ کی طرح ہی پیدا ہو کر بے نفع صورت میں ختم ہو جاتی ہیں ۔ مگر جو چیز لوگوں کو حقیقی نفع پہنچانے والی ہوتی ہے وہ دنیا میں قائم رہتی ہے ۔" یہ وہ لطیف کیمیاوی نسخہ ہے جس سے ہر حکومت اپنی عمر کو لمبا کر سکتی ہے ۔ اگر کوئی حکومت یہ خیال کرے کہ اس نے اس نسخہ کو استعمال کیا ۔ مگر پھر بھی وہ جلد مٹ گئی اور جھاگ کی طرح بیٹھ گئی تو میں کہوں گا کہ اس نے اپنی حالت اور اپنے اعمال کا صحیح مطالعہ نہیں کیا ۔ اور غلطی سے بُرے عمل کو اچھا عمل سمجھ لیا کیونکہ بہر حال خدا کا کلام کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا ۔ اور یہ تو وہ صداقت ہے جس پر حضرت آدم سے لے کر آج تک ہر ملک اور ہر زمانہ مہرِ تصدیق ثبت کرتا چلا آیا ہے ۔ پس چاہو تو اس نسخہ کو بھی آزما دیکھو ۔ بس اس سے زیادہ میں اس وقت کچھ عرض نہیں کروں گا ۔

(الفضل مورخہ ۱۲ / جون ۱۹۴۸ء)

بقیہ : صفا سے آگے

حضرت ' کے لفظ کا استعمال عدم احترام پر نہیں بلکہ قرب اور پیار اور جانثاری پر دلالت کرتا ہے آپ میں اور آپ کے رفقاء میں کسی قسم کی کوئی غیریت نہ تھی اور آپ کی یہی شان ان میں وہ مقناطیسی قوت پیدا کر دیتی تھی ۔ جو سننے سے نہیں ، دیکھنے سے ہی سمجھ میں آسکتی ہے ۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بڑی رات گئے ایک مہمان آگیا ، کوئی چارپائی خالی نہ تھی اور سب سو رہے تھے حضرت اقدس نے فرمایا ۔ ذرا ٹھہرئیے میں ابھی انتظام کرتا ہوں ۔ آپ اندر تشریف لے گئے اور دیر تک واپس تشریف نہ لائے ۔ مہمان نے خیال کیا کہ شاید حضرت بھول گئے اس نے ڈیوڑھی میں جھانکا تو دیکھا ایک صاحب چارپائی بن رہے ہیں اور حضرت خود مٹی کا دیا اٹھائے اس کے پاس کھڑے ہیں چارپائی بنی گئی اور مہمان کو دی گئی ۔ ادھر مہمان صاحب عرقِ ندامت میں غرق ہو رہے تھے کہ میں نے آدھی رات کے وقت حضرت کو اس قدر تکلیف دی ۔ اُدھر حضرت اقدس عذر فرما رہے تھے کہ چارپائی لانے میں دیر ہوگئی ۔"

حضور کی زندگی کے آخری ایام کی بات ہے کہ حضور کے ایک رفیق بابو شاہ دین صاحب بہت بیمار ہوگئے انہی دنوں حضور کو لاہور کا سفر اختیار کرنا پڑا ۔ یہ حضور کا آخری سفر تھا ۔ وفات سے تیرہ روز قبل حضور نے حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کو ایک خط لکھا (جو ان دنوں قادیان میں تھے) جس میں بابو صاحب کی تیمارداری کی طرف خاص توجہ دلائی گئی تھی ۔ حضور نے تحریر فرمایا :-

" بابو شاہ دین صاحب کی خبر گیری سے آپ کو بہت ثواب ہوگا ۔ میں بہت شرمندہ ہوں کہ ان کے ایسے نازک وقت میں قادیان سے سخت مجبوری کے ساتھ مجھے آنا پڑا اور جس خدمت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے میں حریص تھا وہ آپ کو ملا ۔ اُمید ہے آپ ہر روز خبر لیں گے اور دُعا بھی کرتے رہیں گے اور میں بھی دُعا کرتا ہوں ۔"

زنجیرِ عدل

عرش پر فرش کا جب شور بپا ہوتا ہے
پھر کہیں نوح کا طوفان اُٹھا ہوتا ہے
آج فریاد سے روکو نہ مجھے چارہ گرو
"آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے"

یہ جو اپنے لئے زنداں کی پذیرائی ہے
یہ اسیرانِ رہِ مولیٰ کی دارائی ہے
ہم نے اس کے لئے نذرانۂ جاں پیش کیا
ہم نے جس دین کی عظمت کی قسم کھائی ہے

رسن و دار کی رسم آج بھی تابندہ ہے
سُرخیٔ خونِ شہیداں ابھی رخشندہ ہے
یہ زمیں رزم گہہ کثرت و قلّت ہے ابھی
سنّتِ شعبِ ابی طالب ابھی زندہ ہے

تابکے ظُلم کے سایہ تلے جینا ہو گا
تا کُجا موجۂ طوفاں پہ سفینہ ہو گا
کب تک اس عہدِ جفاکیش سے ہم گذریں گے
میکدہ ہوگا نہ دورِ مے و مینا ہو گا

مجھ سے منسوب ہے وہ، جو مری تحریر نہیں
بولنا چاہوں تو آزادیٔ تقریر نہیں
مدّعی آپ ہیں اور آپ ہی منصف ہیں یہاں
کیا کہیں عدلِ جہانگیر کی زنجیر نہیں؟

عبدالمنان ناہید

کبھی تو مل کر بیٹھنا بھی تھا، کبھی تو حال سُنانا تھا
ہم نے اُس کی قدر نہ جانی، اب باقی پچھتانا تھا

اُس کے دل کی بستی میں ہم جب تک آتے جاتے تھے
مَوت بھی پیاری سی لگتی تھی، جینے کا بھی بہانہ تھا

میل ملاپ میں، وصل وصال میں مانا جادو ہوتا ہے
ساری عمر وہ ساتھ رہا، جب جانے لگا انجانا تھا

خواہش، خواب، خیال، خوشی، سب اس کے دیوانے تھے
آنکھ کھُلی تو گھر خالی تھا، آنکھ لگی ویرانہ تھا

عقل کی باتیں کرنے والے، سب مٹّی کے مادھو تھے
سیدھا سیدھا سا انساں تھا، لیکن خُوب سیانا تھا

تجھ کو دیکھ کے اِک لمحے میں اُس کی باتیں یاد آئیں
تجھ سے ملتا جلتا سا اک اپنا دوست پُرانا تھا

اُس کے غم میں غلطاں رہ کر کتنے خوش تھے سارے لوگ
پیار بھی اس کا، پیاس بھی اُس کی، خُم بھی وہی میخانہ تھا

غالب احمد

○

ایسا ہو جائے خدایا غم آفات نہ ہو
آندھیاں لاکھ چلیں اشکوں کی برسات نہ ہو

کیسے پا سکتے ہیں وہ لوگ جہاں میں توقیر
جن کے کردار میں خُوبی کی کوئی بات نہ ہو

اَب تو پیمانِ وفا پر بھی گماں ہوتا ہے
کہیں مردانِ سیاست کی کرامات نہ ہو

پھر اُفق سے ہو عیاں صبحِ مسرّت کا نشاں
اور طولانی خدایا شبِ ظلمات نہ ہو

کیسی پُر ہول صدائیں ہیں ہوا میں نادرؔ؟
دیکھنا یہ نئے طوفاں کی شروعات نہ ہو

نادر قریشی

ثاقب زیروی

میری صحافتی زندگی کا پیش رس

۴ دسمبر ۴۳ء کو جب میرے بڑے بھائی محمد اقبال کا انتقال ہوا میری عمر ساڑھے پندرہ سال کے لگ بھگ تھی۔ حضرت اباجان نے اس غم کو غلط کرنے کے لئے اپنی سرگرمیاں دوچند کر دیں۔ اب وہ دنوں اور ہفتوں کی بجائے زیرہ اور فیروزپور (کی تحصیلوں) کے دیہات میں مہینے گزارنے لگے اور میں مارچ ۴۴ء میں میٹرک کا نتیجہ نکلتے ہی تلاش معاش میں سرگرداں ہو گیا۔ ٹائپ سیکھی، شارٹ ہینڈ سیکھا۔ ادیب فاضل کیا مگر کہیں ملازمت اس لئے نہ مل سکی کہ (مقابلے کے) امتحانات میں پہلی یا دوسری پوزیشن حاصل کرنے کے باوجود میری "نوعمری" آڑے آجاتی تھی۔ بارے تین ایک سال کی تگ و دو کے بعد سیشن کورٹ میں تقرر ہوا جسے ترقی کے امکانات کم ہونے کے باعث ڈیڑھ پونے دو سال بعد چھوڑ دیا۔ پھر دو ایک پرائیویٹ ملازمتیں کیں حتیٰ کہ کوآپریٹو ڈیپارٹمنٹ میں دیہی افسر کی آسامی مل گئی۔ گھر کی رویہ انحطاط معیشت کو کچھ سہارا ملا اور صبح و شام قدرے اطمینان سے گزرنے لگے گویہ ملازمت ہر اعتبار سے غنیمت بلکہ لبسا غنیمت تھی۔ میں اپنے شہر زیرہ ہی میں متعین تھا۔ مقامی حلقوں میں عزت و احترام بھی تھا۔ افسران بھی مطمئن بلکہ میری کارکردگی پر خوش تھے لیکن میری طبیعت قرضے۔ اصل زر۔ سود۔ سود مرکب۔ نفع نقصان اور بیلنس شیٹ کی اصطلاحوں اور ان کی گنجلکوں سے مصالحت نہ کر پاتی تھی۔ چھٹیں میں عام طور پر قادیان میں گزارتا تھا وہاں چونکہ احباب سے شناسائی نہ ہونے کے برابر تھی اس لئے مصروفیت "بیت المبارک" کی مجالس علم و عرفان سے شروع ہو کر بزرگان سلسلہ سے نیازمندانہ ملاقاتوں ہی تک محدود رہتی تھی

مجھے آپ کی تلاش ہے

کہ ۴۵ء کے اواخر میں ایک دن مجلسِ عرفان سے استفادہ کے بعد بیت المبارک کی سیڑھیوں سے اترا تو کسی نوجوان نے ایک "ہینڈ بل" بعنوان "مجھے آپ کی تلاش ہے"۔ تھما دیا جس میں حضرت فضل عمر کی طرف سے سلسلہ کے نوجوانوں کو خدمت دین کے لئے زندگیاں وقف کرنے سے متعلقہ تحریک کے کچھ کوائف درج تھے جسے میں نے قادیان سے زیرہ پہنچتے تک کم و بیش ایک درجن دفعہ پڑھا یہاں تک کہ میرے دل و دماغ نے اپنے آقا کی آواز پر لبیک کہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور میں نے پندرہ بیس دن کے بعد والدین سے مشورہ کئے بغیر امام جماعت احمدیہ حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر الدین محمود احمد کی خدمت بابرکت میں زندگی وقف کرنے سے متعلق عریضہ لکھ دیا اور اللہ تعالیٰ کا احسان کہ میری درخواست قبول کر لی گئی۔ مارچ ۴۶ء میں ارشاد موصول ہوا کہ "ملازمت سے فراغت کے بعد آجاؤ"۔ یہ فراغت مئی میں حاصل ہوئی اور میں سرکاری جھمیلوں سے آزاد ہو کر قادیان پہنچ گیا۔ حضور ان دنوں ڈلہوزی میں تھے۔ حضور کی مراجعت تک کے لئے دفتر تحریک جدید کے مدار المہام مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور نے مجھے دار المجاہدین کی بجائے اپنی ہمشیرہ کے ہاں رہنے کی اجازت دے دی جس کی چند ہفتے قبل ہی شادی ہوئی تھی اور میں محلہ دار الفضل میں آگیا۔ جہاں اغلباً تیسرے دن شام کو پیغام ملا کہ

حضور ڈلہوزی سے تشریف لے آئے ہیں کل صبح نو بجے انٹرویو (ملاقات) کے لئے قصر امامت میں پہنچ جاؤں۔

یہ رات قریباً جاگتے ہی گذری۔ طرح طرح کے خیالات دل و دماغ میں آتے اور جاتے رہے

- کیا دریافت کیا جائے گا؟
- حضور کے سامنے کیسے زبان چلے گی۔
- کیا فیصلہ ہو گا؟

گویا میں زندگی کے ایک ایسے سنگم پر کھڑا تھا۔ جہاں مجھے کچھ علم نہ تھا کہ کس طرف جانے کا حکم ملے گا۔ غالب قیاس یہ تھا کہ "اکاؤنٹس" کا کوئی کام میرے سپرد کیا جائے گا۔ ایک دن قبل کان میں یہ بھنک بھی پڑی تھی کہ شاید برما بھیجا جاؤں۔

تقدیر ساز فیصلہ

بہرحال اگلی صبح ٹھیک نو بجے قصر امامت میں پہنچ گیا۔ شرف باریابی حاصل ہوا۔ دست بوسی اور تمام گھر والوں کی طرف سے حضور کی خدمت میں ہدیۂ سلام و نیاز اور درخواست دعا پیش کرنے کے بعد خادم و آقا کے مابین یوں گفتگو ہوئی

حضرت فضل عمر۔ "آپ ملازمت سے کاملاً فارغ ہو آئے؟"

ثاقب زیروی۔ "جی ہاں! رجسٹرار صاحب کی طرف سے استعفے کی منظوری کا خط مجھے مل گیا ہے"۔

حضرت فضل عمر۔ "آپ کی تعلیم کہاں تک ہے؟"

ثاقب زیروی۔ "میں صرف میٹرک پاس ہوں۔ ٹائپ اور شارٹ ہینڈ جانتا ہوں۔ ادیب فاضل کیا ہوا ہے۔ پرائیویٹ طور پر بی۔ اے کرنے کا ارادہ ہے"۔

حضرت فضل عمر۔ "شاعری کے علاوہ آپ کو کسی اور صنف سے بھی رغبت ہے مثلاً صحافت سے؟"

ثاقب زیروی۔ "حضور صحافت سے تو کوئی رغبت نہیں ہے"۔

حضرت فضل عمر۔ "آپ عبدالمجید صاحب سالک کو جانتے ہیں؟"

ثاقب زیروی۔ "جی ہاں۔ ان سے شناسائی ہے"۔

حضرت فضل عمر۔ "آپ کی ان سے آخری دفعہ ملاقات کب ہوئی؟"

ثاقب زیروی۔ "حضور مجھے ان سے بالمشافہ ملاقات کا شرف حاصل نہیں۔ بس میں کبھی کبھار اپنی کوئی نظم یا غزل ان کی خدمت میں بھیج دیتا ہوں وہ اس کی نوک پلک سنوار کر "انقلاب" میں شائع کر دیتے ہیں۔ بس یہی ایک سلسلہ ربط و ضبط ہے"۔

حضرت فضل عمر۔ "انہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ آپ قادیان آرہے ہیں؟"

ثاقب زیروی۔ "حضور میں نے استعفٰے منظور ہو جانے کے بعد لاہور میں تین بزرگ ادیبوں (جناب سالک۔ علامہ تاجور اور مولانا صلاح الدین) کو (جن سے میری خط و کتابت تھی) ملازمت چھوڑ دینے اور قادیان آنے کی اطلاع دی تھی اور لکھا تھا کہ آئندہ خط و کتابت وہاں سے ہو گی جہاں مجھے میرے امام بھیجیں گے۔"

اس مرحلہ پر حضور نے میرے ہاتھ میں ایک خط دیتے ہوئے فرمایا "مجھے سالک صاحب کا ایک خط موصول ہوا ہے جو آپ کے متعلق ہے آپ پڑھ لیں"۔ میرے لئے یہ جانی پہچانی تحریر تھی۔ یہ نامہ کوئی پندرہ سولہ سطور پر مشتمل تھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ:

"کچھ عرصہ قبل آپ نے تین نوجوان میرے پاس صحافت کی عملی تربیت کے لئے بھجوائے تھے لیکن چونکہ ان کے فکر میں صحافت کی کوئی چاشنی نہ تھی۔ میں نے انہیں واپس بھیج دیا۔ مگر مجھے قلق رہا کہ آپ کے ارشاد کی تعمیل نہ کر پایا اب ایک نوجوان زیرہ ضلع فیروزپور سے آپ کے پاس آرہا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس کی تعلیم کہاں تک ہے — (یہ فقرہ پڑھتے ہی میرے منہ سے بے ساختہ نکلا "حضور میں صرف میٹرکولیٹ ہوں"۔ فرمایا پہلے خط پڑھ لو۔ تبصرہ بعد میں کرنا) — اگر اسے انقلاب میں بھجوا دیا جائے تو دو پونے دو سال میں آپ کی خدمت میں سالک کا مثنیٰ پیش کر دیا جائے گا۔"

خط پڑھنے کے بعد اسے حضور کے دست مبارک میں دیتے ہوئے عرض کیا۔ "حضور یہ سالک صاحب کی بہت بڑی خوش فہمی ہے۔ مجھے تو صحافت سے نہ کوئی رغبت ہے نہ دلچسپی۔ میں نے تو کبھی روزنامہ اخبار بھی نہیں پڑھا"۔

فرمایا۔ "کیوں نہیں پڑھا؟ تو اور کیا پڑھتے ہو؟"

عرض کیا۔ "حضور کبھی میسر ہی نہیں ہوا زیرہ میں کوئی درجن کے لگ بھگ ہندو اخبارات (ملاپ۔ پرتاپ۔ ویر بھارت) وغیرہ ہندو سیٹھوں کے پاس آتے ہیں جن کے مطالعہ کی کبھی خواہش نہیں ہوئی۔ صرف ادبی رسائل پڑھتا ہوں ان کے بھی زیادہ تر حصہ ہائے نظم۔ افسانوں سے بھی طبیعت کو کوئی خاص دلچسپی نہیں"۔

فرمایا۔ "مجھے سالک صاحب کی رائے سے اتفاق ہے۔ آپ انور صاحب سے ان کے نام خط لے لیں اور کل ہی لاہور چلے جائیں اور انقلاب میں کام شروع کرتے ہی مجھے بذریعہ تار اطلاع کر دیں اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو"۔

اس حرفِ آخر قسم کے تقدیر ساز فیصلہ کے بعد کسی قسم کی عذر خواہی کی کہاں کوئی گنجائش تھی حضور یہ فرما کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اپنے ناچیز خادم کو مصافحہ و معانقہ سے نوازا۔ میں سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ ابھی پہلی سیڑھی پر ہی تھا کہ حضور نے واپس بلا کر فرمایا:

"دیکھو ہم آپ کو مہر و سالک کے پاس لکھنا سیکھنے کے لئے بھیج رہے ہیں اُن کے سیاسی نظریات یا انقلاب کی پالیسی سے متاثر ہونے کے لئے نہیں۔ تربیت ختم ہو جائے گی تو یہ بات "کہ کیا لکھنا ہے" یہاں آنے پر ہم آپ کو بتائیں گے"۔

اور یوں چند لمحوں ہی میں ایک بینکر کو اخبار نویس بنا دیا گیا۔

میں اگلے دن لاہور آگیا اور کوئی دو سال تک انقلاب میں حضرات سالک و مہر کے زیرِ تربیت رہا۔ اور ہر شعبۂ صحافت میں عملی تجربہ حاصل کیا اس عرصہ میں ابناءِ وطن کی دنیا ہی بدل گئی۔ ملک تقسیم ہو گیا۔ ریڈ کلف نے قادیان بھی بھارت کی جھولی میں ڈال دیا۔ تمام عزائم اور منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ میں جب انقلاب سے فارغ ہوا حضور اُن دنوں رتن باغ میں اقامت گزیں تھے اگلے دن خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا تو فرمایا:۔

"کل آپ کے اُستاد آئے تھے۔ وہ آپ کے کام کے بارے میں یہ سندِ فضیلت دے گئے ہیں۔ پڑھ لیں"۔

میں نے ڈرتے ڈرتے (کہ نہ جانے خط میں کیا لکھا ہو) اُسے کھولا تو خطاب و القاب کے بعد وہاں صرف ایک فقرہ درج تھا۔

"لیجئے حسبِ وعدہ سالک کا شتی پیشِ خدمت ہے"۔

میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ حضور نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد بڑے ملول انداز میں فرمایا:۔

"جب میں نے آپ کو انقلاب میں بھجوایا تھا تو میرے ذہن میں ایک "روزنامے" کے اجراء کا پروگرام تھا۔ جس پر عمل کرنا اب ناممکن ہوگیا ہے۔ آپ فی الحال درد صاحب کے ساتھ میرے "پریس اتاشی" کے طور پر کام شروع کردیں"۔

مولانا دوست محمد شاہد مؤرخ احمدیت

دنیائے احمدیت کا اوّلین جلسہ سالانہ

جدید تحقیق کی روشنی میں

آج سے ٹھیک سو سال قبل شمالی ہند کے صوبہ پنجاب میں ایک ایسا تاریخ ساز واقعہ رونما ہوا جس کو ملکی پریس نے تو بالکل نظر انداز کر دیا مگر وہ مستقبل میں اقوام عالم میں ایک حیرت انگیز انقلاب کا سنگ میل ثابت ہوا۔ میری مراد جماعت احمدیہ کے اوّلین جلسہ سالانہ سے ہے جو قادیان کی گمنام بستی میں ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء کو بعد نماز ظہر بیتِ اقصیٰ میں منعقد ہوا۔

اس تاریخی جلسہ کے وقت ساری دنیائے احمدیت صرف ۲۸۵ نفوس پر مشتمل تھی۔ (رجسٹر بیعت اولیٰ) اور قادیان کی ناگفتہ بہ کیفیت مندرجہ ذیل چشم دید شہادتوں سے عیاں ہے :-

(حضرت میاں امام دین سیکھوانی)

"نہایت بے رونق بستی تھی۔ بازار خراب ہوتے تھے اور کثرت سے قمار بازی ہوتی تھی گویا یہ ایک پیشہ سمجھا جاتا تھا۔ ہنسی اور ٹھٹھا سے بات ہوتی تھی میاں جان محمد صاحب امام.... تھے وہ اکیلے ہی نمازی تھے۔" (الحکم ۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء)

(حضرت صاحبزادہ پیر سراج الحق جمالی نعمانی سرساوی)

"یہ مقام قادیان ایسا بے رونق تھا کہ جس کے بازار خالی پڑے تھے اور بہت کم آدمی چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔ بعض دکانیں ٹوٹی پھوٹی اور بعض غیر آباد خالی پڑی تھیں اور دو تین یا کم و بیش دکانیں لون مرچ کی تھیں وہ ایسی کہ اگر چار پانچ آنے کا مصالحہ خریدنے کا اتفاق ہو تو ان دکانوں سے بجز دو چار پیسے کے نہیں مل سکتا تھا اور تھوڑی تھوڑی ضرورتوں کے لئے بٹالہ جانا پڑتا تھا" ("مرکزِ احمدیت قادیان" صفحہ ۵۹۔۶۰ مؤلفہ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی ایڈیٹر الحکم قادیان۔ اشاعت ۱۹۴۲ء)

(حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ الثانی)

"اس کی آبادی دو ہزار کے قریب تھی سوائے چند ایک پختہ مکانات کے باقی سب مکانات کچے تھے۔ مکانوں کا کرایہ اتنا گرا ہوا تھا کہ چار پانچ آنے ماہوار پر مکان کرایہ پر مل جاتا تھا زمین اس قدر ارزاں تھی کہ دس بارہ روپے کو قابل سکونت مکان بنانے کے لئے زمین مل جاتی تھی۔ بازار کا یہ حال تھا کہ دو تین روپے کا آٹا ایک وقت میں نہیں مل سکتا تھا.... تعلیم کے لئے ایک مدرسہ سرکاری تھا۔ جو پرائمری تک تھا اور اسی کا مدرس کچھ الاؤنس لے کر ڈاک خانہ کا کام بھی کر دیا کرتا تھا۔ ڈاک ہفتے میں دو دفعہ آتی تھی۔ تمام عمارتیں فصیل قصبہ کے اندر تھیں (ترجمہ "دعوۃ الی الحق" صفحہ ۲۷۶ و صفحہ ۲۷۷ چھپے از مطبوعات وکالت تبشیر طبع اول ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء)

اب اُس "بیت اقصیٰ" کا حال سنیئے جس میں یہ پہلا جلسہ سالانہ ہوا۔ اس پہلے روحانی اجتماع سے سولہ سترہ سال قبل یہاں سکھوں کی حویلی تھی جو کسی زمانہ میں قید خانہ کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ جسے حضرت مرزا غلام مرتضےٰ صاحب (والد ماجد حضرت بانی سلسلہ احمدیہ) نے سات سو روپیہ میں خریدا اور اس پر خدا کا یہ گھر تعمیر کیا جو ۱۸۷۵ء سے لے کر جون ۱۸۷۶ء تک پایہ تکمیل کو پہنچا اور اس کے پہلے امام میاں جان محمد صاحب مقرر ہوئے۔ یہ ایک مختصر سا بیت الذکر تھا۔ جس کا چھوٹا سا صحن تھا اور پختہ پرانی قسم کی چھوٹی اینٹوں کا بنا ہوا تھا۔ مُسقّف عمارت پر خوبصورت گنبد تھا۔ شمالی دروازہ کے اندر صحن کے فرش کے برابر کنوئیں کا منہ تھا اور صحن کے مشرقی کنارہ پر اینٹوں کی ایک منڈیر تھی جس پر نمازی وضو کیا کرتے تھے۔ (روایات غیر مطبوعہ جلد ۷ صفحہ ۲۷۳)

اس اوّلین جلسہ کی کارروائی بھی بہت مختصر تھی۔ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء کو بعد نماز ظہر مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی رقم فرمودہ تحریر "آسمانی فیصلہ" پڑھ کر سنائی اس موقع پر حاضرین کی تعداد ۷۵ تھی۔ اس تقریب میں پنجاب، ریاست کپورتھلہ، ریاست مالیر کوٹلہ اور ریاست جموں سے مخلصین تشریف لائے تھے۔

اس یادگار جلسہ میں شمولیت کے لئے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے قلم مبارک سے خود بعض مخلص مریدوں کو تحریک خاص فرمائی مثلاً حضرت نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ کو لکھا:-

"میں نے ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء کو ایک جلسہ تجویز کیا ہے۔ متفرق مقامات سے اکثر مخلص جمع ہوں گے۔ مگر میں افسوس کرتا ہوں کہ آں محب بوجہ ضعف ونقاہت ایسے متبرک جلسہ میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اس حالت میں مناسب ہے کہ آں محب اگر حرج کار نہ ہو۔ تو مرزا خدا بخش صاحب کو روانہ کر دیں۔ زیادہ خیریت ہے۔ والسلام خاکسار غلام احمد قادیان ۲۲ دسمبر ۱۸۹۲ء" (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر چہارم صفحہ ۹ مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔ مطبع آفتاب برقی پریس امرتسر فروری ۱۹۲۳ء)

حضرت اقدس کی خواہش کی تعمیل میں حضرت نواب صاحب نے مرزا خدا بخش صاحب کو قادیان بھجوا دیا۔ اور وہ شامل جلسہ ہوئے۔

اس سلسلہ میں حضور نے حضرت منشی رستم علی صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس لاہور ریلوے کو حسب ذیل خط تحریر فرمایا:-

"مشفقی مکرمی اخویم منشی رستم علی صاحب.... چونکہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء کو قادیان میں...... ایک جلسہ ہو گا (اللہ قدیر نے چاہا تو) کثیر احباب اس جلسہ میں حاضر ہوں گے۔ لہٰذا مکلف ہوں کہ آپ بھی براہ عنایت ضرور تشریف لاویں۔ آتے ہوئے ۴ر کے پان ضرور لیتے آویں۔ زیادہ خیریت ہے۔ والسلام خاکسار غلام احمد از قادیان"

خط پر کوئی تاریخ درج نہ تھی مُہر سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۲ دسمبر ۱۸۹۱ء کو ڈاک میں ڈالا گیا۔ لاہور کی مہر ۲۳ دسمبر ۱۸۹۱ء کی ہے۔

ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ احمدیہ کے ابتدائی دور ہی سے حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ نہایت درجہ معمور الاوقات تھے اور آپ ہی سب کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ (مکتوباتِ احمدیہ جلد پنجم نمبر ۳ صفحہ ۱۱۲۔۱۱۳ مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔ مطبع الیکٹرک پریس امرتسر طبع اوّل فروری ۱۹۲۹ء)

اس جلسہ میں شامل ہونیوالوں پر گہری اور باریک نظر ڈالنے سے یہ دلچسپ مگر نہایت عجیب حقیقت سامنے آتی ہے کہ شاملینِ جلسہ میں سے بعض غیر از جماعت تھے مثلاً محمد چٹو صاحب لاہور۔ بعض چند سال بعد جماعت سے علیحدہ ہو گئے اور مولوی غلام قادر فصیح مالک و مہتمم پنجاب پریس و میونسپل کمشنر سیالکوٹ اس زمرہ میں آتے ہیں۔ علاوہ ازیں درجِ ذیل اصحاب نے اس اولین جلسہ کے کچھ عرصہ بعد بیعت کی :-

مرزا محمد اسمٰعیل بیگ صاحب قادیانی (بیعت ۱۷ فروری ۱۸۹۲ء) شیخ نور احمد صاحب مالک مطبع ریاض ہند امرتسر بیعت یکم فروری ۱۸۹۲ء۔ منشی تاج دین صاحب اکاؤنٹنٹ دفتر ایگزیمنر لاہور (بیعت ۷ فروری ۱۸۹۲ء) شہزادہ حاجی عبدالمجید صاحب لدھیانہ (بیعت ۸ مارچ ۱۸۹۲ء)

"رجسٹر بیعت اولیٰ" سے یہ بھی انکشاف ہوتا ہے کہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء کو یعنی عین جلسہ کے موقع پر بارہ ۱۲ بزرگوں کو حضرت بانیٔ سلسلہ کی بیعت کا شرف حاصل ہوا جن کے نام یہ ہیں :-

حافظ فضل احمد صاحب لاہور۔ منشی نبی بخش صاحب لاہور۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب گجرات حافظ محمد اکبر صاحب لاہور۔ منشی غلام محمد صاحب لاہور۔... نور الدین صاحب جمونی۔ مستری عمر الدین صاحب جموں۔ شیخ محمد جان صاحب وزیر آباد۔ قاضی محمد اکبر صاحب جموں مفتی فضل الرحمٰن صاحب بھیروی جموں۔ منشی احمد اللہ صاحب جموں۔ منشی دوست محمد صاحب آف میانی مقیم جموں۔

اس مقدس اور متبرک تقریب کی برکات سے فیضیاب ہونے والے رفقائے خاص میں سے مولوی رحیم اللہ صاحب لاہوری، میاں جان محمد صاحب قادیانی، منشی محمد خان صاحب کپورتھلوی، مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی اور مولانا غلام حسین صاحب گمٹی لاہور حضرت اقدس کی زندگی میں ہی انتقال فرما گئے۔ اور چوہدری رستم علی صاحب حکیم فضل الدین صاحب بھیروی اور قاضی خواجہ علی صاحب لدھیانوی نے حضرت مولانا نور الدین امام جماعت احمدیہ (الاوّل) کے عہد میں وفات پائی اور باقی بزرگ حضرت فضل عمر کے زمانہ امامت کے دوران واصل بحق ہوئے اس روحانی قافلہ کے آخری درخشندہ گوہر اور ممتاز رکن حضرت صاحبزادہ پیر افتخار احمد صاحب لدھیانوی (ابن حضرت صوفی احمد جان صاحب لدھیانوی) تھے جو ۸ جنوری ۱۹۵۱ء کو خالقِ حقیقی سے جا ملے ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

جماعت احمدیہ کے پہلے مبارک جلسہ سالانہ کے معزز ناظرین کا تذکرہ کرنے کے بعد ہم پیچھے پلٹتے ہیں اور دوبارہ جلسہ کی کارروائی پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے بتاتے ہیں کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی مضمون سنا چکے تو جلسہ میں موجود تمام

اصحاب نے بالاتفاق یہ قرار دیا کہ اس پر معارف مضمون کو شائع کیا جائے۔ چنانچہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنا یہ معرکہ آرار مضمون "آسمانی فیصلہ" کے نام سے شائع فرمادیا نیز ربانی تحریک کے مطابق اعلان فرمایا کہ آئندہ ہر سال جلسہ سالانہ ۲۷ سے ۲۹ دسمبر تک منعقد کیا جائے گا جس کے کئی روحانی فوائد اور منافع ہونگے جو (اللہ قدیر نے چاہا تو) وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے۔" (صفحہ ۴۲)

حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے ۲۷۔ دسمبر ۱۸۹۱ء کے پر جلال اور حقیقت افروز مضمون میں اللہ جلشانہ عزّ اسمہ کی درگاہ عالی میں یہ بھی عرض کیا کہ :-

"اے میرے مولیٰ اے میرے پیارے آقا..... مجھے اس سے بڑھ کر کچھ نہیں چاہیئے کہ تو راضی ہو.... اگر تیری نگاہ میں مجھ میں کچھ بدی ہے تو میں تیرے ہی منہ کی اس سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے میرے ہادی!! اگر میں نے ہلاکت کی راہ اختیار کی ہے تو مجھے اس سے بچا اور وہ کام کرا کہ جس میں تیری رضامندی ہو۔ میری روح بول رہی ہے کہ تو میرے ہے اور ہوگا۔ جب سے کہ تو نے کہا کہ میں تیرے ساتھ ہوں.... تو اسی دم سے میرے قالب میں جان آگئی۔ تیری دلآرام باتیں میرے زخموں کی مرہم ہیں۔ تیرے محبت آمیز کلمات میرے غم رسیدہ دل کے مفرّح ہیں۔ میں غموں میں ڈوبا ہوا تھا تو نے مجھے بشارتیں دیں۔ میں مصیبت زدہ تھا تو نے مجھے پوچھا۔ پیارے! میرے لئے یہ خوشی کافی ہے کہ تو میرے لئے اور میں تیرے لئے ہوں"

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۹ مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر۔ جنوری ۱۸۹۲ء)

رب ذوالجلال نے اپنے محبوب بندے کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور اپنے تمام وعدے پورے کئے۔

آج ــــ ایک صدی بعد ــــ دنیا کے [illegible] ممالک میں احمدیت کا پرچم لہرا رہا ہے۔

جنوب کے ممالک ـ سائنس اور ٹیکنالوجی

نوبل انعام یافتہ عالمی شہرت کے حامل احمدی سائنس دان جناب محترم پروفیسر عبد السلام صاحب کی ایک فکرانگیز تحریر

اس بات کی پانچ وجوہات ہیں کہ کیوں تیسری دنیا کے ممالک سائنس اور ٹیکنالوجی میں عمومی طور پر پیچھے ہیں۔

الف (۱) بنیادی یا اطلاقی سائنس کی طرف ٹھوس توجہ کا فقدان

عموماً اس بات کی طرف کم ہی توجہ ہے کہ یہ یقین کیا جائے کہ ملکی ترقی میں سائنس کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جاپان کی مثال لیجیئے۔ ۱۸۷۰ء کے لگ بھگ میجی احیاد کے دوران شاہ جاپان نے پانچ حلف نامے لئے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ سائنس کے بارے میں قومی پالیسی بنائی جائے۔ 'علم' حاصل کیا جائے گا۔ ہر ممکن ذریعہ سے اور پوری قوت کے استعمال سے۔ تاکہ جاپان کو عظیم بنایا جائے اور جاپان کو مستحکم کیا جائے۔

(علم سے کیا مراد تھی؟ جاپانی ماہر طبیعات ہنتارو ناگا اوکا نے مقناطیسیت کے میدان میں مہارت حاصل کی۔ یہ وہ سائنس تھی جس میں اہلِ سائنس نے نظری اور تجرباتی دونوں طور پر مہارت حاصل کی۔ اس سائنسدان نے ۱۸۸۸ء میں گلاسکو سے جہاں اسے شاہی حکومت کی طرف سے بھیجا گیا تھا، اپنے استاد پروفیسر تناکا داتے کو یوں لکھا، ہمیں آنکھیں کھلی رکھتے ہوئے سرگرمی سے کام کرنا چاہیئے۔ گہری دلچسپی کے ساتھ، پوری سمجھداری کے ساتھ، ناقابل شکست انداز میں۔ اور ایک لمحہ بھی دم لینے کے لئے رکنا نہیں چاہیئے۔ اس بات کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ کیوں یورپ والے ہر میدان میں اعلیٰ ترین ہوں۔ جیسا کہ آپ نے مجھے بتایا تھا ہم ان لوگوں کو دس سے بیس سال کے عرصے میں شکست دے دیں گے۔

(آئیڈیلز اینڈ ریلیٹیز۔ تیسرا ایڈیشن۔ ورلڈ سائنس پبلشنگ کمپنی پرائیویٹ لمیٹڈ سنگاپور (۱۹۸۹ء) صفحہ ۱۹۹)

اس ٹھوس توجہ کے فقدان کا سبب ہے کمزور یونیورسٹیاں۔ اطلاقی سائنس کے لئے بہت تھوڑے ریسرچ سنٹرز۔ غیر معیاری اور الگ تھلگ رہنے والی سائنسی برادری۔ (جن کا کوئی بنیادی ڈھانچہ نہیں۔ جو سائنسی لٹریچر سے محروم ہیں اور جن کے بین الاقوامی تعلقات نہ ہونے کے برابر ہیں) سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم میں کمی اور سائنس کی تعلیم پر بہت کم اخراجات۔

(۲) ٹیکنالوجی میں خود کفالت حاصل کرنے کی اہمیت کا فقدان

ہماری بہت کم حکومتیں ایسی ہیں جنہوں نے ٹیکنالوجی کے حصول میں خود کفالت حاصل کرنے کی کوششوں کو قومی مقاصد کا حصہ بنایا ہو۔ کم اہمیت کی ٹکنالوجی کی حد تک تو شاید کچھ کوششیں کی گئی ہیں لیکن جہاں تک ہائی ٹکنالوجی کے حصول کا تعلق ہے صورت حال افسوسناک ہے۔ ہائی ٹکنالوجی کی بنیادوں کو حاصل کرنے کی طرف ہم نے بہت کم توجہ دی ہے۔ اس بات کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ سائنس کے میدان میں ترقی کا حصول ہائی ٹکنالوجی کے حصول کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

(ب) سائنسی اداروں اور انکے لئے قانون سازی کی نامناسب صورت حال

جہاں تک سیاسی اقدام کا تعلق ہے جنوب کے ممالک میں عمومی طور پر سائنسی اداروں کی بہتری کے لئے مناسب قانون سازی نہیں کی گئی۔ ڈاکٹر ہیونگ چوپ سوئی نے بیان کیا ہے کہ کوریا نے اس ضمن میں جو کام کیا ہے وہ قابل غور ہے۔ سائنسی اداروں کو مستحکم کرنے کے لئے جو ادارے قائم کئے گئے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ کوریا انسٹی ٹیوٹ آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی (KIST) دی کوریا ایڈوانسڈ انسٹی ٹیوٹ آف سائنس (KAIST) دی کوریا ٹکنالوجی فنانس کارپوریشن (KTFC) اسی طرح قانون کے میدان میں کئی اہم قوانین نافذ کئے گئے ہیں۔ ان کا مقصد سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی ہے اس میں جو قوانین قابلِ ذکر ہیں وہ ہیں۔ دی لاء فار دی پروموشن آف ٹکنالوجی ڈویلپمنٹ ۱۹۷۲ء اس میں ٹیکنالوجی کی ترقی کے لئے پرائیوٹ صنعتوں کو ترغیبات دی گئی ہیں۔ اور انجنیئرنگ سروسز پروموشن لاء ۱۹۷۳ء اس کا مقصد مقامی انجنیئرنگ فرموں کو ترقی دینا ہے اس مقصد کے لئے ایک طرف مارکیٹوں کی ضمانت دی گئی ہے اور دوسری طرف کام کے بلند معیار کی یقین دہانی کروائی گئی ہے۔ یہ مثال ہے سائنسی اداروں میں قانونی کوششوں کی جس کو جنوب کے ممالک میں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

(ج) سائنسی منصوبوں کو چلانے کا غلط طریق کار:

سائنس کو اپنی ترقی کے لئے بلند و بالا افراد کی ضرورت ہے۔ سائنس کا ایک اہم منصوبہ بہر حال سائنس دانوں کو ہی چلانا چاہیئے (نہ کہ بیشہ ور انتظامیہ کے ذریعے سے) یا ایسے سائنسدانوں کے ذریعے جو اپنے وقت میں سرگرم رہے ہوں مگر آج ویسے نہ رہے ہوں۔ اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ عالمی سطح پر سائنس کے بعض تقاضے ہیں۔ مثال کے طور پر۔ پیشہ ورانہ تنظیموں کا ترقی یافتہ نظام۔ باریک بینی سے تبصرہ کرنے والی کمیٹیاں۔ آرٹ اور کوالٹی کے بارے میں آزادانہ مطالعہ۔ سائنس فاؤنڈیشن جن کو سائنس دان چلائیں اور آزاد ذرائع سے ان کو اخراجات مہیا ہوتے رہیں۔ ترقی پذیر ملکوں میں بھی اسی قسم کی روایات اختیار کرنی پڑیں گی۔

(سائنس دانوں کی تنخواہوں کا یہاں پر ذکر نہیں کیا جا رہا میرا خیال ہے کہ اس بات کو یوں دیکھنا چاہیئے کہ دیگر لوگ جو اتنی ہی تعلیم کے حامل ہیں اور اسی معاشرے میں رہتے ہیں ان کو کیا تنخواہیں ملتی ہیں۔ اس کا یقیناً یہ مطلب نہیں کہ اس فرضی مقولے پر عمل کیا جائے کہ آرام دہ زندگی سے ہی اعلیٰ سوچ جنم لیتی ہے۔ میں نے جو اب تک بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ سائنس کی ترقی میں کمی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ سائنسدانوں کو بہت کم معاوضے دیئے جاتے ہیں)

سرگرم سائنس دانوں کے بارے میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کی دو اقسام ہیں۔ (راک فیلر یونیورسٹی، نیویارک کے ڈاکٹر باقی بیگ کے الفاظ میں) میں ان کو یوں بیان کروں گا کہ ایک وہ ہیں جو "رومنز" ہیں اور دوسرے "یونانی" ہیں۔ "یونانی" قسم سے مراد وہ سائنسدان ہیں جو اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ اور سائنس ریسرچ سنٹرز وغیرہ کے قیام میں دلچسپی نہیں لیتے۔ جبکہ "رومنز" اقسام کے سائنس دان وہ ہیں جو دوسرے طریق پر چلتے ہیں۔ اور وہ لوگ تو یقیناً خوش قسمت ہیں جن میں یہ دونوں اقسام کی خصوصیات پائی جاتی ہوں۔

(د) جنوب کو ٹکنالوجی کی منتقلی کے بارے میں ٹکنالوجی فراہم کرنیوالے اداروں اور شمال کی حکومتوں کا بے نیازانہ رویہ

جیسا کہ پہلے اس امر پر زور دیا جا چکا ہے ترقی پذیر ملکوں کی ناکامی کے اسباب میں سے ایک یہ ہے وہ ٹکنالوجی درآمد کرنے کی طرف زیادہ توجہ مرکوز رکھتے ہیں اور اس کی بجائے جنوب کے ممالک میں اپنی ٹکنالوجی کی بنیادیں مضبوط کرنے کی طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ کیونکہ دونوں چیزیں اہم ہیں۔ اس لئے ہمیں سائنس اور ٹکنالوجی فراہم کرنے والے اداروں کے رویہ پر فکر کا اظہار کرنا چاہیئے۔ اس کے لئے ٹوگو کی مثال بیان کی جا سکتی ہے۔ جہاں شمال کے مفاد پرست عناصر نے ایک ایسی حکومت کو جو فی الحقیقت لاعلمی کی حد تک معصوم تھی ایسی ٹیکنالوجی فراہم کر دی جس نے اس ملک کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

اور ٹوگو کی مثال کوئی واحد مثال نہیں ہے۔ شمال کی حکومتوں کو (نہ صرف سوویت یونین بلکہ امریکہ کے افسران بھی جو ظاہر تو یہ کرتے ہیں کہ وہ چھوٹے سے چھوٹے ملک کے مفادات کی حفاظت کرتے ہیں نہ کہ ایک سپر پاور کے مفادات کی) اس ضمن میں اتنی بالادستی حاصل کرنی چاہیئے کہ وہ ایسے غیر ذمہ دار اور مفاد پرست سپلائرز اور ان کی فرموں کی مدد نہ کریں اور

بین الاقوامی مذاکرات میں ان کی سائیڈ نہ لیں ۔ (مثال کے طور پر یوراگوئے میں ہونے والی بات چیت) اس امر کی بڑی ضرورت ہے کہ ٹیکنالوجی کی منتقلی کے بارے میں ہونے والے بین الاقوامی کنونشنوں کا انعقاد اور ان کا کنٹرول ایک عالمی محتسب کے سپرد کیا جائے ۔

مثال کے طور پر یہ ضروری ہے کہ ترقی کے منصوبے ، جن کا ترقی پذیر ممالک نے اور عالمی مالیاتی اداروں نے بڑا چرچا کیا ہے ۔ ان منصوبوں کے اخراجات کے خفیہ گوشوں کی بڑی احتیاط سے چھان بین کی جائے (اس میں مختلف اشیاء کی قیمتیں ۔ یا وہ شرائط اور حد بندیاں جو درآمد شدہ ٹیکنالوجی کے استعمال کے بارے میں عائد کی جا رہی ہیں ۔ ان سب کا جائزہ یہ ٹیکنالوجی وصول کرنے والا ملک اپنے طور پر آزادانہ طریق سے لے سکے)

(۹) جنوب کے ممالک میں سیاسی استحکام کا فقدان :

گذشتہ تجزیوں سے یہ واضح ہوا ہے کہ سائنس کے میدان میں تخلیقی کام کا انحصار ہر دور کے تہذیب و تمدن میں استحکام اور سکون پر رہا ہے ۔ ترقی پذیر ملکوں میں رہنے والے لوگوں کے لئے اس استحکام کے دشمن یا تو اندرونی ہیں اور یا بیرونی مثال کے طور پر لاطینی امریکہ میں سوسائٹی کے اندر موجود خطرات کم ہوئے ہیں لیکن بدحالی کی وجوہات بیرونی ہیں ۔ (مثال کے طور پر بیرونی ممالک کے قرضوں کا مسئلہ) اور ان پر ہر کسی کو تشویش لاحق ہونا ضروری ہے ۔ لیکن ایشیا اور افریقہ کے اکثر ممالک میں خطرات اندرونی ہیں ۔ اور ان کی وجوہات غیر تصفیہ شدہ سرحدیں ، قبائلی نظام ، مذہبی عدم برداشت ، (عیسائیوں ، ہندوؤں ، یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان) فرقہ واریت (مثلاً ذات پات کے جھگڑے) اور یہ باتیں اب بھی باقی ہیں ۔ ان میں سے بعض ملکوں کے لئے بڑا خطرہ بنیاد پرستی کے نظریات ہیں ۔ مَیں ذاتی طور پر یہ محسوس کرتا ہوں میں بنیاد پرستی کو قبول کرنے کو تیار ہوں جس کے نتیجے میں خوف و ہراس ختم ہو جائے ۔ علم و دانش کی قدر ہو ، سائنس اور ٹیکنالوجی کو ترقی ملے مگر میں قطعی طور پر عدم برداشت اور جاہلیت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہونگا ۔

(ل) ان ناکامیوں کے ازالے کے چند طریق

سیاسی حل کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے ، اس صورت حال کے ازالے کے لئے ایک تجویز ایسی ہے جس پر عمل کرنے سے ان ممالک میں سائنس کی ترقی کو روکنے والے عوامل کے اثرات کو کم سے کم کیا جا سکتا ہے ۔ اور وہ تجویز ہے (ایک یا زیادہ) تیسری دنیا کے ممالک پر مشتمل علاقائی بنیادوں پر دولت مشترکہ برائے سائنسز کا قیام ۔ جن کا مقصد سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی ہو ۔

اس ضمن میں مَیں وہ بات پیش کرتا ہوں جو میں نے کچھ عرصہ قبل تیسری دنیا کے ثقافتی اور سیاسی طور پر یکجا علاقوں کے ضمن میں لکھی تھی ۔ مثال کے طور پر فرنچ زبان جاننے والے افریقی ممالک ۔ کیریبئن ممالک ۔ سارک کا علاقہ اور عرب اور اسلامی ممالک ۔

ہمارے ملکوں کے لئے (ایک یا زیادہ) " سائنسی دولت مشترکہ " قسم کی تنظیموں کی ضرورت ہے ۔ چاہے کسی سیاسی دولت مشترکہ کا وجود نہ بھی ہو ۔ ماضی میں اس قسم کی دولت مشترکہ ایک سچی حقیقت تھی ۔ مثال کے طور پر اسلامی ممالک میں جبکہ وسطی ایشیائی ممالک کے باشندے ابن سینا اور البیرونی جیسے لوگ جو کہ قدرتی طور پر عربی میں ہی لکھتے تھے ۔ یا ان کے ہم عصر اور فزکس کے میدان میں میرے بھائی ابن الہیثم اپنے آبائی وطن بصرہ سے جہاں عباسی خلفاء کی حکومت تھی ، ان کے مخالف حکمرانوں بنی فاطمہ کے علاقے مصر میں ہجرت کر کے چلے گئے ۔ یقینی طور پر ان کا مقصد اپنا قرار واقعی احترام اور مقام حاصل کرنا تھا ۔ اور اس کے لئے انہوں نے ان سیاسی اور فرقہ وارانہ اختلاف کی کچھ پرواہ نہ کی جو کہ اس دور میں بھی اتنے ہی شدید تھے جتنے یہ آج ہیں ۔

" سائنس کی نئی دولت ہائے مشترکہ کو (انہی خطوط پر کام کرتے ہوئے) اپنی اہمیت منوانے کی ضرورت ہے اور سائنسدانوں اور حکومتوں ہم دونوں کو اس کی اہمیت کا اعتراف کرنا چاہیئے ۔ آج ، تیسری دنیا کے سائنسدان تعداد میں بہت کم ہیں ۔ مغربی دنیا کے مقابلے میں ان کی تعداد کی نسبت ایک ہزارواں حصہ بھی نہیں ۔ کم از کم ہمیں متحد ہو جانے کا احساس پیدا کرنا چاہیئے ۔ اپنے وسائل کو یکجا کر لینا چاہیئے اور اس طرح سے ہمیں ایک برادری کی طرح مل کر کام کرنا چاہیئے اس کی ترقی کی رفتار تیز کرنے کے لئے شائد ہم اپنی حکومتوں کا زیادہ مؤثر تعاون حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں ۔ اور مثال کے طور پر آئندہ پچیس سال کے لئے ہم جنوب کے ممالک کے سائنس دانوں کو خصوصی اور محفوظ مقام دیا جائے اور اس مقام پر موجودہ سیاسی یا فرقہ وارانہ اختلاف کا کوئی اثر نہ پڑے تا کہ ہم سائنس کی ترقی کے لئے ٹھوس طور پر منصوبہ بندی کر سکیں ۔ "

" اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ امریکہ نے اپنی سائنس کی ترقی کا موجودہ مقام کم سے کم وقت میں اس طرح سے حاصل کیا ہے کہ اس نے جنگوں کے درمیان کے عرصے میں یورپ کے مختلف ممالک سے بھاگ کر اپنے ملک آنے والے سائنسدانوں کو خوش آمدید کہا ۔ لیکن یہ خوش آمدید محض سطحی نہیں تھی ۔ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ یہ سائنسدان اپنے آبائی وطن کو تو نہیں لوٹ جائیں گے ۔ اور ان کی واپسی ان کے " ڈیوٹی ٹور " کا اختتام تو نہیں سمجھا جائے گا ۔ ان سائنس دانوں نے انگلش سیکھی ۔ امریکہ میں آباد ہوئے ۔ بال بچوں کو پروان چڑھایا ۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے ملک بھی ایسا ہی کرنے کو تیار ہیں ۔ کم از کم ان چند اعلیٰ ترین لوگوں کے لئے جو انہوں نے اپنے ملک میں بلائے ہیں ؟ کیا ہم ایسے لوگوں کو تحفظ اور سکون دے سکتے ہیں ۔ کیا ہم ان کا استقبال کھلے بازوؤں سے کر سکتے ہیں ۔ اتنا کھلے دل سے کہ وہ یہاں رہ کر ریسرچ کے سکول جاری کریں اور ان میں بھرپور دلچسپی لیں ؟ "

(آئیڈیلز اینڈ ریئیلٹیز ، تیسرا ایڈیشن ، ورلڈ سائنٹفک پبلشنگ کمپنی پرائیویٹ لمیٹڈ سنگاپور ۱۹۸۹ صفحہ ۳۰۴)

اس کو قبول کرتے ہوئے " ان دولت ہائے مشترکہ میں سائنسز کا احیاء پانچ بنیادی شرطوں پر منحصر ہو گا ۔ سنجیدگی سے توجہ ، فراخدلانہ سرپرستی ، تحفظ کی فراہمی ، ہمارے سائنسی منصوبوں پر عمل درآمد ۔ اور ان کو انٹرنیشنلائز کرنے کی منصوبوں پر عمل درآمد کی آزادی " ۔

(آئیڈیلز اینڈ رئیلٹیز ۔ تیسرا ایڈیشن ۔ ورلڈ سائنٹفک پبلشنگ کمپنی پرائیویٹ لمیٹڈ سنگاپور (۱۹۸۹ ء) صفحہ ۳۰۶)

(پروفیسر ڈاکٹر عبد السلام کی ریڈ بک کے صفحات ۴۷ تا ۵۳ کا ترجمہ)

طیور سامنے اُڑتے رہے نظر کی طرح
مَیں اِک مقام پہ ٹھہرا رہا شجر کی طرح

مری نگاہ کے دامن میں خار اُلجھے تھے
مَیں مُسکراتا رہا خاورِ سحر کی طرح

ہزار سنگ ہیں جن سے اُبلتے ہیں چشمے
ہزار قلب ہیں جو سخت ہیں حجر کی طرح

نہ غمگسار نہ مونس نہ ہمنوا ٹھہرے
مری حیات رہی ایک رہگزر کی طرح

وہ انتظار کے لمحے وہ اعتبارِ وفا
ہر ایک سایہ لگا مجھ کو نامہ بَر کی طرح

مرا جمال ابھی ذہنِ کائنات میں ہے
صدف کے دل میں درخشانی گہر کی طرح

نہ جانے کیا تھی اُسے مجھ سے وجہِ دلچسپی
رہا وہ شخص مرے ساتھ ہم سفر کی طرح

وہ نُور جس کا زمانے کو انتظار رہا
تو اُس کے پاس سے گزرا ہے بے بصر کی طرح

حرم کو جا نہ سکے اَب کے سال بھی اعجاز
تڑپ کے رَہ گئے مُرغِ شکستہ پَر کی طرح

سعید احمد اعجاز

سکونِ قلب و نظر بے قرار پا نہ سکے
انہیں بُلا نہ سکے اور آپ جا نہ سکے

شکستہ دل کی صدا ہے فراق کی رُوداد
جسے وہ سُن نہ سکے اور ہم سُنا نہ سکے

نگاہِ ناز کی جادوگری خدا کی پناہ
فریب کھینچ لے جس کو پلٹ کے جا نہ سکے

دیارِ شوق کی منزل نہ پا سکے گا کبھی
جو راہِ شوق سے سنگِ گراں ہٹا نہ سکے

ملا جو ان سے تو رگ رگ میں آگیا طوفاں
ہزار باتیں تھیں کہنے کی لب ہلا نہ سکے

ہر ایک رُعب سے بڑھ کر ہے حسنِ یار کا رُعب
وہ پاس بیٹھے رہے ہم نظر ملا نہ سکے

یہ ڈر تھا رازِ محبت نہ اُن پہ کُھل جائے
وہ پوچھتے ہی رہے حال کچھ بتا نہ سکے

بہت تھا ناز انہیں اپنے زورِ بازو پر
مگر ہم اہلِ جنوں کے وہ سر جُھکا نہ سکے

جنابِ شیخ کی تقریر تھی فصیح و بلیغ
سُخن شناس سے لیکن وہ داد پا نہ سکے

رحمت اللہ شاکر

تُو نہاں ہے کہ خود نہاں ہوں مَیں؟
دل کی خلوت سے کس نے دی آواز؟

تیری رہ میں ہے انتظار اپنا
فاش کر دے یہ ماؤ تُو کا راز

سعید احمد اعجاز

وہ جو اک شخص تھا پیمانِ محبت کا امیں
اب بھی آجائے مرا در تو کُھلا آج بھی ہے

بُجھ گیا دل تو، مگر راکھ میں گرمی ہے ابھی
نفسِ سوختہ و سوزِ نوا آج بھی ہے

عبدالمنان ناہید

راجہ غالب احمد

ذاتی تأثرات

(جلسہ سالانہ)

"سالانہ جلسہ" ایک احمدی کی زندگی میں بنیادی اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر سال کا اختتام دسمبر کے آخری ہفتہ میں اس جلسہ میں شمولیت کے ساتھ اور اس کے ساتھ وابستہ برکات اور فیوض کے حصول سے منسلک ہوتا ہے۔ "جلسہ سالانہ" ایک ایسا اجتماع اور ایک ایسا جماعتی ادارہ ہے جس کا جماعت کے اجتماعی شعور (GROUP MIND) کے ساتھ گہرا نفسیاتی اور روحانی رشتہ اور رابطہ ہے۔ اس اجتماعی جماعتی ادارے کے تشخص کی اپنی ایک الگ (PSYCHE) سائیکی اور نفسیات ہے جس کا مؤثر طور پر اس مختصر سے مضمون میں اور پھر مجھ ایسے کم فہم اور ناقص العلم شخص کے لئے کسی طرح بھی ممکن نہیں لیکن خاکسار کی شدید خواہش اور دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ محض اپنے فضل و کرم سے کسی بیدار مغز صاحب علم شخصیت کو یہ توفیق عطا فرمائیں کہ وہ نفسیات کے قائم کردہ قوانین کے ماتحت اس "جماعتی ادارے" کے بارے میں علمی تحقیق کریں اور اس ادارے کے خدوخال کو اجاگر کرتے ہوئے اس کی ۱۰۰ سالہ تاریخ کو منظم رنگ میں مرتب اور محفوظ کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوں۔

اس جلسہ سالانہ کی بنیاد جن اغراض و مقاصد کے لئے حضرت بانیٔ سلسلہ نے رکھی تھی اور اپنے روحانی فیوض کی برکت سے خود اپنے دور میں اس کو جاری و ساری کیا تھا۔ اُس بابرکت وجود کی دعاؤں کے باعث اس جماعتی ادارے نے کتنی حیرت انگیز اور عظیم الشان ترقی کی ہے۔ اور یہ "درخت وجود" اور اس کی شاخیں اب کل عالم میں کہاں کہاں تک پھیل چکے ہیں۔ یہ مطالعہ بہت ہی پر لطف اور ایمان افروز ہے

جلسہ سالانہ کی ابتداء ۱۸۹۱ء میں ہوئی حضرت بانیٔ سلسلہ، رفقاء اور ان کے عزیز و اقرباء کی شمولیت سے یہ اجتماع معرضِ وجود میں آیا۔ خاکسار کا شمار تو اُس زمرہ میں آتا ہے جس نے حضرت بانی سلسلہ کے رفیقوں اور ان کی اولادوں کی صُحبت سے فیض یاب ہونے کی توفیق پائی۔ خاکسار کی یاد داشت میں غالباً تحریک جدید کے پہلے سال کا جلسہ سالانہ ہے جب کہ خاکسار کی عمر تقریباً چھ سال کی تھی۔ حضرت فضل عمر کی ایک مشہور نظم "دشمن کو ظلم کی برچھی سے تم سینہ و دل برمانے دو" ان دنوں زبان زدِ خاص و عام تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۳۴ء کے جلسہ سالانہ پر خاکسار نے یہ نظم زبانی یاد کی تھی۔ اور جس طرح یہ نظم جلسہ سالانہ پر کسی دوست نے نہایت ہی دل پذیر اور درد آمیز ترنم کے ساتھ پڑھی تھی اس کا تاثر ابھی بھی دل و جاں میں اسی طرح محسوس ہوتا ہے۔ ایک "طفل" کی حیثیت سے جلسہ سالانہ کے ذاتی تاثرات کو اگر میں اکٹھا کرتے اور اختصار سے بیان کرنے کی کوشش کروں تو جلسہ سالانہ کا جو رنگ ۱۹۳۴ء سے لے کر ۱۹۳۹ء تک کے عرصہ میں میرے لئے تھا۔ وہ کچھ یوں تھا۔

دسمبر کی چھٹیوں کے شروع ہوتے ہی جلسہ سالانہ کے لئے سفر کا آغاز۔ قادیان تک ریل کا سفر ایک روحانی لذت اور سرور کا اچھوتا تجربہ ہوتا تھا۔ دل و دماغ اس سفر کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ دل کی دھڑکنیں تیز تر ہو جاتی تھیں۔ قادیان کی طرف روانگی اور جوں جوں قادیان دارالامان کا قرب منزل بہ منزل نصیب ہوتا جاتا تھا دل و دماغ کی کیفیت بدلتی جاتی تھی۔ بٹالہ کے سٹیشن تک پہنچنے کے بعد جب تک "قادیان والی گاڑی میں بیٹھ نہیں جاتے تھے" ایک عجیب سے اضطراب سے دوچار رہنا پڑتا تھا۔ لیکن جب قادیان جانے والی ریل گاڑی میں بیٹھ جانے کی توفیق مل جاتی تھی۔ تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ جسم میں ایک خاص قسم کی ٹھنڈک اور تراوت عود کر آئی ہے۔ عہد طفلی میں اس سفر کی حالت میں اکثر یہ محسوس ہوا کہ جسم اور روح کا رشتہ کیا ہے۔ اور وہ انسانی سفر میں کس طرح ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ قادیان کی طرف سفر کرنا خود ایک روحانی کیفیت تھی۔ جس کا احساس سب سے پہلے بچپن کے اِس دور میں ہوا اور جس کی یاد ابھی بھی باعث تسکین و راحت ہے۔ اور اس سال تو اس کی شدت اور بھی زیادہ تیز ہے۔

قادیان دارالامان کے قرب و جوار میں جب ریل گاڑی اس مقام پر ہوتی تھی جہاں سے "منارہ" کا دیدار ممکن ہوتا تھا۔ ہم بچوں کے لئے بھی اس سفر کا ایک نہایت اہم تجربہ ہوتا تھا۔ "منارۃ" کو دیکھتے ہی اپنے بزرگوں کے ساتھ دعا کے لئے ہاتھ ہمارے بھی اٹھ جاتے تھے۔ اُس عمر کی دعائیں تو یاد نہیں۔ نامعلوم ان دعاؤں کا کیا وجود اور کیا مقام تھا۔ لیکن یہ اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ کی ایک دعائیہ نظم کا ایک مصرع زبان پر ضرور ہوتا تھا "اک سے ہزار ہوویں" یا "مولا کے یار ہوویں"

حضرت بانیٔ سلسلہ کی اس دعا کی قبولیت نہ صرف خاندان حضرت بانی سلسلہ میں بلکہ سلسلہ کے دیگر خاندانوں میں اجمالی رنگ میں ہم نے اپنی آنکھوں سے پچھلے پچاس ساٹھ سال میں وقوع پذیر ہوتے دیکھا ہے۔ حقیقت میں ایک سے ہزار ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ "جلسہ سالانہ" اپنی ذات میں ایک سے ہزار ہونے کا ہی نظارہ تو ہے قادیان میں پہلے "جلسہ سالانہ" کی تعداد اور جلسہ سالانہ ربوہ میں ۱۹۸۳ء میں حاضرین کی جو تعداد تھی وہ ایک سے ہزار کی ہی نسبت تو تھی۔ بلکہ فی الحقیقت اس سے کہیں زیادہ۔ کیونکہ پہلے جلسہ میں ۷۵ افراد کے مقابلے پر ۱۹۸۳ء کے جلسہ سالانہ میں پونے تین لاکھ افراد شامل ہوئے تھے۔

جلسہ سالانہ کے دنوں میں قادیان میں قیام بھی عہدِ طفلی کی مخصوص یادیں اپنی جلو میں لئے ہوئے ہے۔ ۱۹۳۴ء سے لیکر ۱۹۴۶ء تک تقریباً کیا یقیناً خاکسار نے بارہ دفعہ جلسہ سالانہ میں شمولیت کا شرف حاصل کیا اس میں امامت ثانیہ کی سلور جوبلی والا تاریخی جلسہ بھی (۱۹۳۹ء کا) شامل ہے۔ جس میں پہلی دفعہ اہتمام کے ساتھ "بیرونی ممالک" سے بھی وفود نے شمولیت کی۔

ان جلسوں میں قیام و طعام کے لئے جو انتظامات کئے جاتے تھے۔ وہ بھی ہمارے لئے اپنے اندر ایک خاص قسم کی تربیت اور تعلیم کا پہلو رکھتے تھے۔ قادیان میں محترم والد صاحب کے ہمراہ مہمان کے طور پر مختلف محلوں میں اور بزرگ دوستوں کے گھروں میں قیام کرنے کی توفیق ملی۔ مثلاً حضرت ولی اللہ شاہ صاحب، حضرت مولوی شیر علی صاحب، حضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحب جٹ۔ اور پھر خاص طور پر ایک دو دفعہ حضرت میر محمد اسحاق صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے ہاں قیام کی برکات کا اثر اس وقت بھی تھا اور اب بھی ہے۔ لیکن ان بابرکت اصحاب کا ذاتی طور پر مہمانوں کے لئے تردّد کرنا اور خاص اہتمام کے ساتھ فرداً فرداً مہمانوں کے آرام کے لئے فکر مند رہنا۔ بچپن کی یادوں کا بہت قیمتی سرمایہ ہے۔

ان گھروں میں بعض اوقات مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے کمروں میں فرش پر "پھوئی" بچھا دی جاتی تھی۔ اس پھوئی کی نرم سطح پر بچھے ہوئے بستروں پر بچپن کی کھیل کود اور پھر اس گھاس پھوس اور خشک پتوں کی اپنی ایک مہک اور مہک ہوتی تھی۔ جو مسامِ جان بن جاتی تھی۔ اور اسی کی یاد خاص طور پر جلسہ سالانہ قادیان اور پھر ربوہ تک مختص رہی ہے۔ اس "درویشی فرشی بستر" کا تجربہ بھی بذاتِ خود ایک تربیتی اہمیت کا حامل ہوتا تھا۔ اس کو وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جو اس تجربہ سے ہو گزرے ہیں۔ ایں سعادت بزور بازو نیست

بچپن میں اکثر جلسہ سالانہ کے موقعہ پر خاکسار اس طرح بھی خاص طور پر خوش نصیب تھا کہ مکرم والد صاحب راجہ علی محمد صاحب (بیعت ۱۹۰۵ء) جو کہ گورنمنٹ سروس سے ریٹائر ہونے کے بعد قادیان میں ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء تک ناظر مال اور تقسیم ہندو پاک کے ایام میں ناظر اعلیٰ بھی رہ چکے تھے۔ ان کے ہمراہ جلسہ سالانہ کی کارروائی سٹیج پر بیٹھ کر سننے کا اتفاق ہو جاتا تھا۔ سٹیج پر بہت سے پُر نور چہروں کی زیارت کا ایک اپنا سماں ہوتا تھا۔ نور کی کرنوں کا اپنا ایک رنگ اور ڈھنگ ہوتا تھا۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب، حضرت مولوی سرور شاہ صاحب، حضرت مولوی شیر علی صاحب حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی، حضرت میر محمد اسماعیل صاحب، حضرت میر محمد اسحاق صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور دوسرے رفقاء کی شخصیات اپنے اپنے رنگ میں جگمگا رہی ہوتی تھیں۔ اور اکثر حمد باری تعالےٰ اور ذکر الٰہی اُن کے زیرِ لب ورد کر رہے ہوتے تھے۔ علم، حلم اور عرفان کی تجسیم کے بہت سے پہلو نمایاں

ہو کر سامنے آجاتے تھے۔ پھر ایک وہ زمانہ بھی آیا جب قادیان میں تعلیم الاسلام ہائی سکول اور پھر تعلیم الاسلام کالج میں طالبعلمی کے دور میں بطور "معاون" جلسہ سالانہ کے مختلف فرائض میں شمولیت بھی اختیار کی۔ مہمان نوازی اور مہمان داری کے بہت سے مختلف سلیقے بزرگوں کی زیر تربیت سیکھنے کی حتی المقدور کوشش کی۔ ایک تجربہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ ایک دفعہ خاکسار کی ڈیوٹی اُس کمرہ میں بطور "معاون" لگی جہاں مٹی کے برتنوں یعنی کوزوں، پیالوں، کٹوروں، آب خوروں کو مہمانوں کے استعمال کے لئے تقسیم کیا جاتا تھا۔ اتنی بڑی تعداد میں ان برتنوں کا وہاں موجود ہونا۔ اور پھر کوزہ گروں کے کمال کا مشاہدہ اور پھر انکے بنائے ہوئے برتنوں کا کسی حد تک بے دریغ استعمال اور جلسہ کے ایام گزر جانے کے بعد ان کوزوں، آب خوروں، پیالوں اور کٹوروں کا مہمان خانوں میں ادھر اُدھر شکستہ صورت میں بکھرے ہوئے دیکھنے کا اپنا ایک خاص سماں تھا۔ چکنی مٹی کی کئی صورتیں بجتی ہوئی ٹھیکریوں کی حالت میں ہر سُو منتشر ہوتی تھیں۔ کوزہ گری کی صنعت کا صنعتِ خداوندی سے مماثلت کا ایک پہلو اُن دنوں ذہن پر کسی حد تک نمایاں ہوا۔ اور پھر انسانی وجود کی شکست و ریخت کا منظر بھی انہی برتنوں کی صورت میں بنتا بگڑتا نظر آیا۔ "بجتی ہوئی ٹھیکریوں" سے انسانی پیدائش کا تعلق شعور اور لاشعور میں ایک گونج کی صورت اختیار کر گیا۔ یہ بھی جلسہ سالانہ کا ایک منظر تھا۔ مہمان خانوں میں لوگوں کا اجتماع غفیر اور پھر دو تین دنوں کے بعد وہی مہمان خانے سنسان ہو جاتے تھے۔ اس میں بھی زندگی کا ایک بنیادی سبق تھا۔ جو سیکھنا ضروری تھا۔ "فنا" کے یہ سلسلے زندگی میں کئی رنگ اختیار کرتے ہیں۔

جلسہ سالانہ کے ایام میں تقاریر سننے کا بھی خاص اہتمام ہوتا ہے۔ پروگرام کے مطابق تقاریر کا سلسلہ باقاعدہ ایک عظیم الشان تنظیم کے ساتھ بروئے کار لایا جاتا ہے۔ سلسلہ کے جیّد علماء بہت محنت اور کاوش سے جلسہ سالانہ کے لئے اپنی تقاریر تیار کرتے ہیں۔ خاکسار کے ذہن پر جلسہ سالانہ کے اس دور کے مقرروں میں خاص طور پر "ذکر حبیب" کے سلسلہ میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی تقاریر کا اپنا ایک خاص رنگ اور ایک خاص حسن اور وقار ہوتا تھا۔ بہت ہی مؤثر تقاریر ہوتی تھیں۔ اور طرزِ بیان بھی بہت سادہ لیکن بہت ہی شستہ اور دل کو موہ لینے والا ہوتا ان تقاریر کا اپنا ایک سحر اور ایک جادو تھا جس کا بیان کرنا اور اس کی عکاسی کرنا اب شائد کسی طور بھی ممکن نہیں۔ البتہ "سیرت ....." کے مطالعہ سے وہی رنگ جھلک پڑتا ہے۔

اسی طرح احمدیت کے فتح نصیب جرنیلوں کی تقاریر یعنی حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب، حضرت مولانا ابو العطاء جالندھری اور مکرم ماموں جان محترم عبدالرحمٰن صاحب خادم کے خطاب جلسہ سالانہ پر اپنے اندر ایک خاص جلالی شان رکھتے تھے۔ محترم خادم صاحب کی آخری تقریر حضرت (فضل عمر) کے موضوع پر جلسہ سالانہ ۱۹۵۶ء میں ہوئی خادم صاحب کی یہ آخری تقریر تھی۔ اور خادم صاحب اس لئے بھی خوش تھے۔ کہ حضرت فضل عمر نے بھی اس تقریر کے سلسلہ میں خادم صاحب سے خود اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔ اسی سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر بھی کرتا چلا جاؤں ۱۹۵۹ء میں خاکسار کی والدہ صاحبہ جو خادم صاحب کی بڑی ہمشیرہ ہیں۔ حضور حضرت فضل عمر سے ملاقات کے لئے جب والد صاحب اور خاکسار کے ہمراہ قصر امامت میں حاضر ہوئیں تو حضرت صاحب نے والدہ صاحبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ "دیکھیں آپ کے بھائی نے وفات پا کر تقریر کرنا چھوڑ دی ہے اور ادھر ہم نے بھی اپنی بیماری کی وجہ سے تقریر کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اب ہم دونوں تقریر نہیں کرتے" حضور کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور لہجہ میں ایک خاص رقت اور دردمندی تھی۔ اپنے ایک ادنیٰ خادم کے لئے اس قدر محبت اور اس کا اتنا دردانگیز اظہار یہ امامت احمدیہ کا ہی درخشندہ نشان اور امتیاز ہے۔ اور ہم سب کے لئے باعث اطمینان و فضیلت۔

اسی طرح جلسہ سالانہ کے سلسلہ میں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ جلسہ کے پروگرام میں سب سے زیادہ اہمیت اور اپنے اندر ایک بے پناہ جاذبیت رکھنے والا پہلو حضرت امام جماعت کے خطاب ہوتے ہیں۔ خاکسار ۱۹۳۴ء سے لے کر ۱۹۸۳ء تک جلسہ سالانہ کے موقع پر ان خطابات سے مستفید ہوتا رہا۔ ۱۹۳۴ء میں خاکسار چھ سال کی عمر کا ایک طفل تھا۔ اور ۱۹۸۳ء میں ۵۵ سالہ عمر رسیدہ لیکن ان ۴۹ سالوں کے عرصہ میں جو کچھ بھی علم اور حکمت حتی المقدور اپنی طبعی استعداد کے مطابق حاصل کر سکا ہوں۔ اس میں ۹۰٪ علم و معرفت انہی خطبات آئمۃ احمدیہ کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوا ہے۔ موضوع کوئی بھی ہو "..... معاشیات" ہو یا "..... نظام عدل" یا "..... کا اقتصادی نظام" یا "..... نظام نو" یا "سیر روحانی" یا "تعلق باللہ" یا "معرفت الٰہی" ان سب موضوعات پر حضرت امام جماعت احمدیہ (الثانی)، حضرت امام جماعت احمدیہ (الثالث) اور حضرت امام جماعت احمدیہ (الرابع) کے ارشاداتِ عالیہ سے ہی ہم سب فیض یاب ہوئے ہیں۔ امامت احمدیہ کی خصوصی برکات میں شامل ہے کہ اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے علم و معرفت کا ایک "دریا" امامت احمدیہ کی شکل میں جماعت کے لئے جاری و ساری کیا ہوا ہے۔ جس سے ہم خاص طور پر "جلسہ سالانہ" کے مبارک ایام میں متمتع ہوتے ہیں۔ اور ان بے بہا علم و فضل کے خزانوں سے اپنے دامن بھر کر واپس اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ محض اپنے رحم و کرم کے باعث اس دریائے نور کو ہمارے لئے ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔

نت نئے ڈیزائن
بے شمار ورائٹی

شریف جیولرز

اقصیٰ روڈ ۔ ربوہ
فون : دکان ۶۴۹ رہائش ۱۷ء

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

TOYOTA ٹویوٹا
(اور)
DAIHATSU
GENUINE PARTS کے اصلی پرزہ جات
حاصل کرنے کیلئے
درج ذیل پتہ پر
رابطہ قائم کریں

الناصر موٹرز

1-A الحیات آٹو مارکیٹ پلازہ سکوائر
ایم اے جناح روڈ کراچی
فون : ۷۲۰۳۴۵ ، ۷۲۰۳۴۴
۷۲۰۹۴۸

حنیف ہومیوپیتھک کلینک

حنیف ہومیوپیتھک کلینک بجائے دکان ۱۷۶
کے اب اسی مارکیٹ کی دکان ۸۴ میں
میں منتقل ہو گئی ہے ۔
خاکسار :۔
ہومیوپیتھک ڈاکٹر محمد حنیف آف کوئٹہ حال لاہور

جدید ترین ۔ باسہولت ۔ بہترین

عزیز ایجیکٹو رجسٹرڈ کی معیاری پیش کش

ڈیپ ویل واٹر پمپ

سکشن : ۵۰ فٹ ڈیلیوری : ۵۰ فٹ
۳/۴ × ۱ سے لے کر ۴ × ۵ گنجائش ۔ کنواں کھودنے کی ضرورت نہیں ۔ مکمل گارنٹی اور بعد از فروخت سروس ۔ مکمل میٹریل ۔ بورنگ اور تسلی بخش فٹنگ کی سہولت ۔

خان سینیٹری ورکس اقصیٰ روڈ ۔ ربوہ
فون ۸۳۱

• ۔ طلباء کو نئے تعلیمی سال ۱۹۹۲ء کی مبارکباد پیش کرتے ہیں ۔
• ۔ حسب سابق نئے تعلیمی سال ۹۲-۱۹۹۱ء کی کتب بارعایت خرید فرمائیں

چوہدری مہر دین اینڈ سنز سٹیشنری اینڈ بک سیلرز

اقصیٰ روڈ ربوہ

سرزمینِ قادیان کا اوّلین دواخانہ

جسے قدرتِ ثانیہ کے مظہرِ اوّل نے اپنی مبارک دُعاؤں سے
۱۹۱۱ء میں جاری فرمایا

• ۔ اٹھراء • ۔ بے اولادی • ۔ نرینہ اولاد کی کمی • ۔ سوکھا • ۔ مردانہ اور زنانہ پیچیدہ امراض کے مشہور معالج

بذریعہ خط و کتابت بھی علاج ہوتا ہے

مشہور دواخانہ

رجسٹرڈ گوجرانوالہ
فون :
۷۴۸۴۴
۷۶۴۹۷

زیرِ نگرانی
حکیم عبدالحمید اعوان
ابن
حکیم نظام جان

برانچیں
ربوہ ، قلعہ کالروالہ ، ملتان ، محمود آباد ۳ کراچی
لاہور

جلسہ سالانہ لندن ۱۹۹۱ء کے بارے میں

ناروے کی ایک نو احمدی خاتون کے تأثرات

جلسہ سالانہ اختتام پذیر ہوا۔ اور مَیں ایک تجربہ کے بعد واپس لوٹی ہوں۔ اس کثیر المقاصد جلسہ سے مختلف انواع و اقسام کے تاثرات مجھے حاصل ہوئے ہیں۔ ان سب کو قلمبند کرنے میں خاصا وقت درکار ہوگا۔ خاص طور پر میرے لئے جو احمدیت میں نو وارده کی حیثیت رکھتی ہوں۔ یہ ایام بہت اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ مختلف رنگ و نسل کے لوگوں سے ملاقاتوں، نئی باتوں کے سیکھنے اور مزے لوٹنے کا میرے لئے یہ پہلا موقع تھا۔

قریباً ۱۰ ممالک سے تعلق رکھنے والی خواتین کے ساتھ جن کی تعداد ۲۰ سے ۳۰ تھی۔ ایک کمرے میں قیام نے میری نظر کے زاویے کو جو تنگ تھا ایک نیا رنگ بخشا ہے۔ ان سب عورتوں کا اکٹھا مل جل کر بیٹھنا باوجود اس کے کہ وہ ایک دوسرے سے اجنبی تھیں نیز یکجا نظریات رکھنا میرے لئے اگرچہ اچنبھا تھا لیکن ان باتوں نے مجھے بہت شادمان کیا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر مَیں اس نتیجہ پر پہنچی کہ یہ سب کچھ محض انہیں اللہ تعالےٰ کی محبت کے نتیجہ میں حاصل ہوا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا دوسرے کے ساتھ محبانہ تعلق تھا۔ ہر ایک دوسرے کے لئے نیک اور اچھی سوچ رکھتا تھا۔ ایسا نمونہ مَیں نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ یہ جلسہ سالانہ باہمی الفت و محبت کا آئینہ دار تھا۔ اور ہم سب ایک بہت بڑا خاندان معلوم ہوتے تھے۔ اس جلسہ کا ضروری اور اہم حصہ اس کا روحانی پہلو ہے۔ اس جلسہ پر مختلف تقاریر اور لیکچرز میرے لئے روحانی وٹامن تھے۔ قبل ازیں الفاظ اور فقرات تو میں نے پڑھے تھے لیکن اس جلسہ پر اس کا عملی نمونہ میرے سامنے اجاگر ہوا۔ اس موقع پر زندگی میں پہلی مرتبہ میں نے اپنے آپ کو ایک نوزائیدہ بچہ محسوس کیا۔ کیونکہ میرے اردگرد کے لوگوں کو بہت کچھ علم تھا اور مجھے سب ابتدائی باتیں سیکھنی تھیں۔ میرے لئے اس جلسہ پر بہت سے معلمین موجود تھے اور میری کوشش یہی رہی کہ مَیں اس موقعے سے بہت کچھ سیکھ لوں۔

حضور پُرنور کی ملاقات کے علاوہ مجھے سب سے زیادہ متاثر کرنے والی چیز نماز تہجد تھی اندھیرے اور خاموشی کے عالم میں نماز تہجّد اور فجر کی نماز کے لئے ٹینٹ میں جمع ہونا میرے لئے ایک ایسا ذہنی اور روحانی تجربہ تھا جس کو بیان کرنا طاقت سے باہر ہے۔ میرا خیال ہے کہ مَیں اگر اسے بیان کرنا بھی چاہوں تو نہیں کر سکوں گی۔ کیونکہ مَیں اس قابل نہیں ہوں۔ لیکن یہ بات تو پختہ ہے کہ اس کی یادداشت اور محسوسات میرے دماغ میں اور وجود میں سرایت کر چکے ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ اہم پہلو یہ ہے کہ تہجد کی نماز کا وقت دن کے ایسے حصّے میں ہے جو دن کا سب سے اہم حصّہ ہے۔ یہ دن کا وہ واحد حصہ ہے جس میں انسان اپنے خالقِ حقیقی سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ تعلق قائم کر لیتا ہے۔ یہ وہ گھڑی ہے جس میں انسان اکیلا اور صرف اکیلا اس کے دربار میں پیش ہوتا ہے اور اس ہستی کے سامنے ہوتا ہے جس نے ہر چیز کا احاطہ فرما رکھا ہے اور وہ ایسا وجود ہے جس سے ہر سوال کا جواب مل جاتا ہے۔ اور انسان بغیر کسی حجاب کے اپنا حالِ دل اسے بتا سکتا ہے

مجھے یقین اور پختہ ایمان ہے کہ جو انسان تہجد کی برکات کا آزمودہ کار ہے وہ کبھی بھی اس تہجّد کے موقع کو ترک نہ کرے گا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ایک خاص شان کے حامل وجود ہیں۔ آپ کی آواز خوب پُرشوکت ہے۔ آپ کی آواز سے سامعین کے دل میں ایک خوشی اور مسلسل ہمت پیدا ہوتی ہے۔ آپ کی ملاقات نے بہت گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ آپ کی ذات نور افشاں تھی اور آدمی بآسانی یہ پہچان لیتا ہے کہ وہ اس وجود کے قریب ہو چکا ہے جسے خدائے قدّوس نے روحانیت سے پُر کر دیا ہے خاص طور پر جس امر نے مجھے مسحور کر دیا وہ یہ تھا کہ ہم سب جو یہ چاہت رکھتے ہیں کہ حضور کے لئے سب عزّت و احترام ظاہر کریں درحقیقت وہ بھی آپ ہی کا وجود تھا جو ہمیں عزت و احترام بخشتا رہا اور حوصلہ افزاء الفاظ سے نوازتا رہا۔ آپ سے ملاقات کے بعد دل میں گرمجوشی اور نئی خوشی نے جگہ لے لی۔ اور باقی سب کچھ جاتا رہا۔ سچ یہ ہے کہ انسان حضور سے ملاقات کے بعد بے اختیار سا ہو جاتا ہے اور متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہر ایک حضور کی محبت میں گم نظر آتا تھا۔ اس محبت کا راز مجھ پر تب کھلا جب مجھے اسلام آباد میں چند ایام گذارنے کا موقع ملا الغرض یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے کس کا کیوں انتخاب فرماتا ہے۔

مَیں اللہ تعالیٰ کی بے حد شکر گذار ہوں جس نے مجھے یہ توفیق عنایت فرمائی کہ مَیں بھی ان نو ہزار احباب کے ساتھ اسلام آباد میں چند ایام جلسہ سالانہ کے لئے گذاروں۔ جو دنیا کے مختلف کونوں سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہ روحانی انعامات جن سے مجھے استفادہ کی توفیق ملی وہ مستقبل میں میرے لئے مضبوطی ایمان اور خوشی و مسرت کا وسیلہ ثابت ہوں گے اس جلسہ سالانہ کے نتیجہ میں کئی احمدی بہنوں سے میرے تعلقات بندھ گئے ہیں یہ تعلقات بھی میرے لئے روحانی فیضان اور حوصلہ افزائی کا موجب ثابت ہوں گے۔ مَیں اس کے لئے بھی تہِ دل سے شکر گذار ہوں۔

مجھے یہ کہنے دیں کہ سیّدنا حضرت بانیٔ سلسلہ کے وہ الفاظ جو آپ نے جلسہ سالانہ کی برکات اور انعامات کے متعلق بیان فرمائے ہیں وہ میرے لئے تو کماحقہٗ پورے ہو گئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں :۔

"اس جلسہ کی اغراض میں سے بڑی غرض تو یہ بھی ہے تا ہر ایک مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اٹھانے کا موقع ملے اور ان کے معلومات دینی وسیع ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے ان کی معرفت ترقی پذیر ہو۔ ایک اور غرض اس جلسہ کی یہ بھی ہے کہ نئے اور پرانے احباب ایک دوسرے سے روشناس ہوں اور آپس میں رشتۂ تودد اور تعارف ترقی پذیر ہو"

بشیر احمد خان رفیق ۔ لندن

جلسہ ہائے سالانہ عالمگیر

سنہ ۱۹۴۴ء کے دسمبر میں ہمارے والد صاحب دانشمند خان صاحب برادرم نذیر احمد اور خاکسار کو قادیان کے سالانہ جلسہ پر لے گئے ۔ یہ ہم دونوں بھائیوں کا پہلا سالانہ جلسہ تھا ۔ پشاور سے بٹالہ تک تو اس کے علاوہ کوئی خاص بات قابلِ ذکر نہیں کہ ہمارے ساتھ ایک ہی ڈبہ میں پشاور کی جماعت کے چند اور بزرگ بھی تھے ۔ تمام سفر کے دوران مسلسل حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی سیرت طیبہ کا تذکرہ ہوتا رہا جو ہم دونوں بھائیوں کے لئے ازدیادِ علم کا موجب تھا ۔ بٹالہ پہنچے تو عجیب روح پرور مناظر دیکھنے میں آئے ۔ پلیٹ فارم احمدی زائرین سے تاحدِ نظر بھرا ہوا تھا ۔ ہر کسی کی زبان پر درود شریف کا وِرد تھا ۔ اور ایک عجیب سرور دیکھنے میں آ رہا تھا گاڑی قادیان کے لئے چلی تو نعرہ ہائے تکبیر کی گونج سے سارا علاقہ لرز اٹھا میری عمر بمشکل ۱۲ سال تھی اور مجھے اس وقت جماعت کا بھی کچھ زیادہ علم نہ تھا لیکن امرتسر اور بٹالہ کے اسٹیشنوں پر جو روح پرور اور وجد آفریں مناظر دیکھنے میں آئے ۔ اس نے طبیعت پر ایک انمٹ خوشگوار اثر چھوڑا جس کی لذت سے آج بھی لطف اندوز ہوتا ہوں ۔ ریل کے اس روحانی سفر کے دوران احباب کے چہروں پر جو سکون اطمینان اور خوشی تھی اور قادیان جلد پہنچ جانے کی جو بیقراری تھی وہ ان کے چہروں سے ہویدا تھی ۔ قادیان نزدیک آیا ۔ مینارہ پر پہلی نظر پڑی تو ہمارے ڈبہ میں موجود ہر احمدی نے دستِ دعا اٹھائے ۔ ہم بھی اس میں شریک ہوئے ۔ دعا میں مگن احباب پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ اکثر کی چیخیں نکل گئیں ۔ ہر کسی کی آنکھ نہ صرف پُرنم تھی بلکہ آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی ۔ عجیب منظر تھا ۔ خیر قادیان پہنچے ۔ اسٹیشن پر استقبالی پارٹیاں موجود تھیں جو ہمیں اپنی قیام گاہوں پر لے گئیں ۔

ایک خاص بات جو مجھے یاد رہ گئی اور جس کا اثر آج بھی میرے دل و دماغ پر نقش ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فضلِ عمر جب اپنی تقریر کے لئے سٹیج پر تشریف لائے اور دعا کے ساتھ جلسہ کا آغاز فرمایا تو بعد از دعا فرمایا کہ جونہی مَیں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے مجھ پر کشفی حالت طاری ہو گئی اور مَیں نے دیکھا کہ آسمان سے نور اترا ہے جو سارے جلسہ گاہ پر چھا گیا ہے اور اس نور سے جلسہ گاہ بقعۂ نور بن گیا ہے ۔ حضور نے سب حاضرینِ جلسہ کو مبارکباد دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے وجودوں کو مہبطِ انوار بنایا ہے ۔

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے سنہ ۱۸۹۱ء میں پہلے سالانہ جلسہ کا انعقاد فرمایا جس میں ۷۵ خوش نصیب شریک ہوئے ۔ آج خدا تعالیٰ کے فضل سے دنیا بھر کے درجنوں سالانہ جلسوں میں لاکھوں افراد شریک ہوتے ہیں اور روحانی انوار سے متمتع ہوتے ہیں اور حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ان دعاؤں سے جھولیاں بھر کر جاتے ہیں جو حضور نے جلسہ میں شامل ہونے والے اپنے مریدوں کے لئے کی ہیں ۔ ہر احمدی خدا تعالیٰ کے فضل سے اس بات کا شاہد اور گواہ ہے کہ حسنِ نیت کے ساتھ جلسہ سالانہ میں شامل ہونے والا ہر شخص روحانی مال و دولت اور خزائن سے مالا مال ہو کر لوٹتا ہے اور ایک نیا جذبہ اور ولولہ لے کر واپس جاتا ہے ۔ اور سال کا بقیہ حصہ اس انتظار میں گذارتا ہے کہ کب سالانہ جلسہ کے مبارک ایام دوبارہ آئیں اور وہ اس میں شامل ہو کر دین و دنیا کی نعمتوں اور برکتوں کو سمیٹ کر واپس اپنے گھروں کو جائیں ۔

جلسہ سالانہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کا ایک باقاعدہ ادارہ بن چکا ہے ۔ دنیا بھر کے درجنوں ممالک میں باقاعدگی سے اس کا انعقاد کیا جاتا ہے ۔ خاکسار کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے متعدد ممالک کے جلسہ ہائے سالانہ میں شرکت کی توفیق ملی ہے جن کا اجمالاً اور جماعت احمدیہ برطانیہ کے سالانہ جلسوں کا تفصیلاً تذکرہ اس مضمون میں کروں گا ۔

خاکسار کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت فضلِ عمر نے سنہ ۱۹۶۵ء کے اپریل میں بیت الفضل لندن کا امام مقرر فرمایا ۔ ان دنوں انگلستان بھر میں جماعت کی تعداد چند سو سے زیادہ نہ تھی اور عموماً جماعت کے افراد مختلف علاقوں میں آباد تھے ۔ جن کی باہمی ملاقاتوں اور رابطوں کا سوائے لندن مشن سے جاری ہونے والے سرکلرز کے اور کوئی ذریعہ نہ تھا ۔ اور یہ ضروری تھا کہ جماعت احمدیہ برطانیہ میں سالانہ جلسوں کا انعقاد باقاعدگی سے شروع کیا جائے ۔ چنانچہ مئی سنہ ۱۹۶۴ء میں اس بات کا فیصلہ کیا گیا ۔ کہ جماعت احمدیہ برطانیہ کے سالانہ جلسہ کا انعقاد کیا جائے ۔ چنانچہ ۲۹ ۔ ۳۰ اگست سنہ ۱۹۶۴ء کو پہلے سالانہ جلسہ برطانیہ کا اعلان کر دیا گیا ۔ یہ جلسہ جماعت احمدیہ کے مشن ہاؤس کے وسیع و عریض باغ میں منعقد کیا گیا ۔ اگست میں عام طور پر موسم خشک اور خوشگوار ہوتا ہے ۔ اس لئے شامیانہ وغیرہ نصب کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی ۔ صرف جلسہ گاہ کے اندر قناتیں نصب کر دی گئیں ۔ باہر سے آنے والے احباب کے قیام کا انتظام لندن کے احمدی گھروں میں کیا گیا ۔ اور طعام کا انتظام بیت الفضل میں ہی کر دیا گیا ۔

پہلے دن حاضرین کی تعداد ۷۵ تھی جس میں ایک کثیر تعداد انگریز غیر مسلموں کی بھی شامل تھی ۔ دوسرے دن البتہ حاضری ۲۰۰ تک پہنچ گئی ۔

جلسہ کا آغاز حسبِ معمول تلاوت قرآن کریم سے ہوا ۔ پہلے سیشن کی صدارت جناب ایس ایم حسن صاحب سی ایس پی نے کی ۔ مقررین میں خاکسار کے علاوہ پروفیسر نصیر احمد خان ۔ عزیز دین صاحب جناب ایس ایم حسن صاحب ۔ جناب اے آر چوہدری صاحب اور جناب حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب شامل تھے ۔ بعض لوکل اخبارات میں اس جلسہ کی کارگذاری کی رپورٹیں شائع ہوئیں ۔

سنہ ۱۹۶۴ء کے اس اولین سالانہ جلسہ کے بعد سے لے کر اب تک جلسہ ہائے سالانہ برطانیہ باقاعدگی سے انعقاد پذیر ہو رہے ہیں ۔ درمیان میں صرف ایک جلسہ سالانہ (یعنی سنہ ۱۹۷۴ء) منعقد نہ کیا جا سکا ۔

سنہ ۱۹۸۵ء سے انگلستان کے جلسہ ہائے سالانہ کی نوعیت بالکل بدل گئی جب سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ان جلسوں میں شمولیت فرمانا شروع کی ۔ اب اگرچہ یہ جلسہ جماعت احمدیہ برطانیہ کا جلسہ کہلاتا ہے ۔ لیکن درحقیقت امام جماعت کی شمولیت کی وجہ سے یہ بین الاقوامی صورت اختیار کر چکا ہے ۔ دنیا بھر سے احمدی جوق در جوق اپنے آقا کو سننے ان سے ملنے اور ان کی دعائیں حاصل کرنے کے لئے چلے آتے ہیں اور برکتوں اور رحمتوں سے اپنی جھولیاں بھر بھر کر لے جاتے ہیں ۔

یہ احباب کثیر اخراجات کا بوجھ اٹھا کر کشاں کشاں لندن صرف اور صرف اس لئے آتے ہیں کہ اپنے آقا کا دیدار کر سکیں ۔ ان سے مل کر روحانی لطف حاصل کر سکیں اور ان کی خدمت میں دعا کے لئے کہہ سکیں ۔

پچھلے جلسہ سالانہ کے معاً بعد یعنی ۳ یا ۴ اگست کو ایک نوجوان مجھے ملنے آیا ۔ اور کہا کہ ان کی والدہ صاحبہ پاکستان سے آئی ہیں ۔ اور وہ مجھ سے ملنے کی خواہشمند ہیں لیکن ضعیف العمری اور گھٹنوں کے درد کی وجہ سے اوپر میرے دفتر تشریف نہیں لا سکتیں ۔ مَیں نے انہیں کہا کہ آپ کی والدہ صاحبہ محترمہ کو اوپر تشریف لانے کی ضرورت نہیں ۔ مَیں خود ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہوں ۔ مَیں اس بزرگ خاتون کو ملنے گیا ۔ انہوں نے اپنے بیٹے کے بارہ میں مجھ سے کچھ مشورہ مانگا اور فرمایا کہ وہ دو دن کے اندر واپس پاکستان جا رہی ہیں ۔ مَیں نے اصرار کیا کہ وہ جانے میں جلدی نہ کریں ۔ پاکستان میں گرمی ہو گی اس لئے اکتوبر تک ٹھہر جائیں ۔ ان کے بیٹے نے فوراً کہا کہ مَیں تو کہتے کہتے تھک گیا ہوں کہ امی جان ٹھہر جائیں ۔ ان کا ویزا ابھی پانچ ماہ کا باقی ہے ۔ میرے پاس ان کی رہائش اور آرام کے لئے خوبصورت فلیٹ ہے ۔ مَیں ان کا علاج بھی کراؤں گا انہیں انگلستان کی سیر بھی کراؤں گا ۔ آپ خدارا انہیں اس بات پر آمادہ کریں کہ یہ ٹھہر جائیں خاتون نے اس گفتگو کے سننے کے بعد مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ مَیں صرف اور صرف اپنے پیارے آقا کے چہرہ مبارک کی زیارت اور ان کے خطبات و تقاریر سننے کے لئے آئی ہوں ورنہ میری عمر اس بات کی اجازت نہ دیتی تھی کہ مَیں اتنا لمبا سفر کروں اب اگر مَیں مزید ٹھہر گئی تو میری نیت میں غرض بھی شامل ہو جائے گی جو مجھے گوارا نہیں ۔ اس لئے مَیں نے بہرحال جانا ہے

اور اپنی نیت کو پاک رکھنا ہے۔ آقا کی زیارت ہو گئی۔ ملاقاتیں ہو گئیں۔ تقاریر سن لیں۔ ان کی دعائیں ملیں۔ اور مجھے کیا چاہیئے۔

یہ صرف ایک بزرگ خاتون کی کہانی ہے۔ سینکڑوں زائرین جو جلسہ سالانہ پر تشریف لاتے ہیں۔ انہی خیالات کو لے کر آتے ہیں۔

اگر ایک طرف فدائیت اور اخلاص کا یہ مظاہرہ ہوتا ہے تو دوسری طرف آقا کی طرف سے بھی شفقت محبت اور پیار کے ایسے ایسے جلوے نظر آتے ہیں کہ طبیعت میں وجد پیدا ہوتا ہے۔ جلسے کے ایام میں جلسہ سے چند دن قبل اور چند دن بعد حضور کی مصروفیات۔ احباب جماعت سے ملاقاتیں جلسہ سالانہ کے انتظامات کی نگرانی و ہدایات۔ تقاریر و خطبات غرضیکہ اپنے وقت کا ایک ایک لمحہ بغیر اپنے آرام کی پرواکئے۔ احباب جماعت کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔

ایک سالانہ جلسہ کے موقع پر بارش ہو گئی۔ ہر طرف جل تھل کا سماں تھا برطانیہ کے مستعد اور فدائی خدام زائرین کی کاروں کو ترتیب سے پارک کروا رہے تھے اور چونکہ زمین گیلی ہو گئی تھی اس لئے کاروں کے ٹائروں سے کیچڑ اچھل اچھل کر ان نوجوانوں پر پڑ رہا تھا اور ان کے کپڑے۔ چہرے اور جسم یوں لگتا تھا کہ کیچڑ کی ایک لیپ ان پر مل دی گئی ہے۔

حضور باہر تشریف لائے۔ ان نوجوانوں کے اس حال میں دیکھا تو بے اختیار ان کی طرف چل پڑے اور ان میں سے ہر ایک کو گلے لگایا۔ حضور کی اچکن اور سفید براق کپڑے کیچڑ سے لت پت ہو گئے۔ حضور کے ہاتھوں پر بھی کیچڑ لگا۔ لیکن جب تک ہر خادم کو گلے نہ لگا لیا۔ حضور اندر تشریف نہ لے گئے

ایک پولیس افسر جو میرے قدیمی واقف ہیں اور حسن اتفاق سے پچھلے دو تین سالوں سے گلفورڈ کے حلقہ میں متعین ہیں۔ ان کی ڈیوٹی ہر سال جلسہ سالانہ کے ایام میں جلسہ گاہ میں ہوتی ہے۔ میں نے ایک دن ان سے پوچھا کہ ڈیوٹی کے سرانجام دینے میں کوئی دقت تو نہیں ہوتی تو انہوں نے کہا کہ ڈیوٹی کا تو صرف نام ہے۔ آپ کی جماعت کا ڈسپلن اور ان کی آپس میں محبت اور پیار کا سلوک اور نظام کی اطاعت ایسی ہے کہ مجھے سارے جلسہ کے ایام میں سوائے لنگر کی اعلیٰ درجہ کی پکی ہوئی روٹی اور سالن کے کھانے کے اور حضور کی تقاریر سننے کے کبھی کوئی کام نہیں ہوتا۔ انہوں نے اس بات پر انتہائی حیرت کا اظہار کیا کہ ہزاروں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ ہر رنگ و نسل۔ ہر طبیعت اور مختلف ممالک کے لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن عجیب ہم آہنگی ہوتی ہے کبھی آپس میں جھگڑتے نہیں۔ کبھی گالی گلوچ سننے میں نہیں آئی۔ کبھی وقار کے خلاف کوئی بات نہیں دیکھنے میں آتی۔ اور جب ان کا آقا تقریر کر رہا ہوتا ہے تو جلسہ گاہ میں اس قدر خموشی کا سماں ہوتا ہے کہ انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ یہ تاثرات ایک غیر مسلم پولیس افسر کے ہیں۔ جو میں نے من وعن درج کر دیئے ہیں۔

برطانیہ کے جلسوں کی عمومی نگرانی اور رابطہ کا کام امیر صاحب برطانیہ مکرم آفتاب احمد خان صاحب کے سپرد ہوتا ہے۔ افسر صاحب سالانہ جلسہ پچھلے سال تک مکرم و محترم ہدایت اللہ صاحب بنگوی ہوا کرتے تھے ان کی وفات کے بعد حضور نے مکرم عبدالباقی ارشد صاحب کو افسر جلسہ سالانہ مقرر فرمایا ہے۔ افسر جلسہ گاہ کے طور پر مکرم و محترم عطاء المجیب صاحب راشد امام بیت الفضل لندن مقرر ہیں۔

۱۹۹۱ء کے سال میں خاکسار کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ خاکسار نے انگلستان جرمنی ناروے۔ امریکہ اور کینیڈا کے جلسہ ہائے سالانہ میں شرکت کی۔ ایک بات تو سب جلسوں میں COMMON (سانجھی) ہے اور وہ ہے احباب جماعت کا جوش و جذبہ کارکنان کی غیر معمولی محنت اور لگن اور دعاؤں سے معمور روحانی ماحول۔ امام جماعت سے محبت اور عشق کا غیر معمولی اظہار اور فدائیت کے روح پرور مناظر۔

مختلف ممالک کے جلسہ ہائے سالانہ کا ماحول البتہ جداگانہ ہوتا ہے۔ امریکہ کی جماعتیں اپنا جلسہ سالانہ عموماً یونیورسٹی کیمپس کرایہ پر حاصل کر کے کرتی ہیں۔ جہاں قیام وطعام اور جلسہ گاہ کا انتظام ایک ہی جگہ ہوتا ہے۔ اس سال کے سالانہ جلسہ امریکہ کی خصوصیت یہ تھی کہ حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بنفس نفیس اس میں شرکت فرما ہوئے۔ حضور نے اپنی تقاریر میں انسان کو صبغۃ اللہ بننے کی ایسی خوبصورت انگریزی زبان اور انداز میں تلقین فرمائی کہ طبائع وجد میں آگئیں۔ حضور کا ہر لفظ دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا گیا۔ اور ایک عجیب جذب اور وجد کی کیفیت مجھ پر سارا وقت چھائی رہی۔ کاش یہ تقاریر جلد از جلد شائع ہو جائیں تو جماعت کے احباب کے علاوہ غیر از جماعت انگریزی دان طبقہ کے لئے بھی روشنی کا مینار ثابت ہوں۔

جماعت ہائے احمدیہ امریکہ نے اس مبارک موقع پر ایک خوبصورت نمائش کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ جس میں تصاویر کے علاوہ وڈیو کے ذریعہ متحرک مناظر کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ احمدیت پر ایک فلم جو مقامی احباب کے تعاون سے تیار کی گئی ہے۔ بہت ایمان افروز اور معلوماتی تھی۔ یہ فلم ہر آدھ گھنٹہ کے بعد دکھائی جا رہی تھی۔

کینیڈا کا سالانہ جلسہ بھی ایک وسیع و عریض کمپونڈ کرایہ پر حاصل کر کے منعقد کیا گیا۔ اس جلسہ کی خصوصیت علاوہ اس بات کے کہ اس میں بھی حضور رونق افروز ہوئے یہ بھی تھی کہ متعدد سیاسی لیڈروں۔ ممبران پارلیمنٹ اور غیروں کی کثیر تعداد نے اس میں شرکت فرمائی۔ مہمانان میں اہم شخصیات نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کو خراج عقیدت پیش کیا حضور کی تقاریر جو انگریزی زبان میں ہوئیں حسب معمول روح پرور تھیں۔ حضور نے اہالیانِ کینیڈا کو اتحاد اور آپس میں اپنے تنازعات طے کرنے کے لئے باہمی افہام و تفہیم کی ضرورت پر زور دیا۔

جرمنی کا سالانہ جلسہ انتظامات کے لحاظ سے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ جرمن جماعت نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی توجہ اور نگرانی اور ان کے سالانہ جلسوں میں حضور کی شرکت کی وجہ سے روحانی ترقی میں اپنا ایک نمایاں مقام پیدا کر لیا ہے۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ جماعت کو بے لوث خدمت کرنے والے فدائی کارکن ہر جگہ میسر ہیں۔ اور دنیا بھر میں یہ واحد جماعت ہے جو اتنے سارے کارکنان کی خدمات سے بغیر کسی ظاہری معاوضہ کے مستفید ہوتی ہے۔ ان جلسوں کی کامیابی کا تمام تر دارومدار امام جماعت اور عام احمدیوں کی دعاؤں کے علاوہ ان کارکنان کا جذبۂ خدمت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان تمام کارکنان اور جلسہ ہائے سالانہ میں سفر کی مشکلات برداشت کر کے پہنچنے والے احباب پر اپنے افضال نازل فرمائے اور ان کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی تمام دعاؤں کا وارث بنائے۔

مولانا محمد صدیق شاہد گورداسپوری

ایک داعی الی اللہ کے اوصاف

دعوت الی اللہ ایک مقدس فریضہ ہے جو ہر اس انسان پر عائد ہوتا ہے جو خداتعالیٰ پر ایمان رکھتا اس سے تعلق کا دعویٰ کرتا اور اس کے پیار ومحبت اور رضا کی راہوں کی جستجو میں ہے خداتعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ ایک ایسی ہی جماعت ہے جس کی بنیادی اغراض میں سے اہم غرض یہ ہے کہ خالق ومخلوق کے درمیان جو رشتہ ہے اسے استوار کیا جائے خداتعالیٰ کے قرب کے میدان میں آگے بڑھنے کی راہوں اور اس قرب کے حصول کے ذرائع سے انسان کو آگاہ کیا جائے۔ چنانچہ بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:-

اس سلسلہ کو اس لئے قائم کیا ہے۔۔۔ تاخدا کی معرفت بڑھے اس پر ایسا یقین پیدا ہو جو گناہ اور گندگی کو بھسم کر جاتا ہے اور نیکی اور پاکیزگی پھیلاتا ہے"۔

(ملفوظات جلد ۹ صفحہ ۱۵۵)

اس مقصد کے حصول کے لئے انسان جو ذرائع عمل میں لاسکتا ہے ان میں سے سب سے اہم اور ضروری دعوت الی اللہ ہے کیونکہ جب انسان دوسروں کو دعوت الی اللہ دینے کے لئے نکلتا ہے تو اسی کو پہلے اپنے قلب و فکر میں وہ روحانی کیفیت پیدا کرنی پڑتی ہے جو دوسروں کے لئے جاذب نظر ہو اور خدا تعالیٰ کے قرب اور اس کی معرفت کی طرف رہنمائی کرنے والی ہو۔

اسی لئے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اور پھر آپ کے بعد آپ کے جانشینوں نے متواتر جماعت کے افراد کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ دعوت الی اللہ کے کام کو اپنے لئے حرز جان بنالیں کیونکہ اس میں تمہاری نجات اور اس میں تمہاری کامیابی کا راز ہے۔

حضرت فضل عمر بیان فرماتے ہیں:-

"پس میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ بغیر سامان دنیا میں دعوت الی اللہ کے لئے نکل پڑیں اور جس طرح سے بھی ہو وہ ان علاقوں تک پہنچیں اور دعوت الی اللہ کریں تاکہ پھر دین حق کے روشن ہونے کے دن آئیں اس قسم کے لوگ اگر ہمارے اندر پیدا ہوتے تو میں سمجھتا ہوں بڑی سرعت کے ساتھ دین حق دنیا میں پھیل جائے گا۔"

(الفضل ۷ مارچ ۱۹۱۴ء)

جماعت احمدیہ کے موجودہ امام حضرت مرزا طاہر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے نہایت ہی درد بھرے الفاظ میں جماعت کو اس اہم فریضہ کی طرف مسلسل اپنے خطبات، تقاریر اور ارشادات میں توجہ دلائی ہے آپ فرماتے ہیں:-

"پس خوشی اور مسرت اور عزم اور یقین کے ساتھ آگے بڑھو دعوت الی اللہ کی جو جوت میرے مولا نے میرے دل میں جگائی ہے اور آج ہزار ہا سینوں میں یہ لو جل رہی ہے اس کو بجھنے نہیں دینا اس کو بجھنے نہیں دینا تمہیں خدائے واحد و یگانہ کی قسم اس کو بجھنے نہیں دینا اس مقدس امانت کی حفاظت کرو میں خدائے ذوالجلال والاکرام کے نام کی قسم کھا کر کہتا ہوں اگر تم اس شمع کے امین بنے رہو گے تو خدا اسے کبھی بجھنے نہیں دے گا یہ لو بلند تر ہوگی اور پھیلے گی اور سینہ بہ سینہ روشن ہوتی چلی جائے گی"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲ اگست ۱۹۸۳ء)

پھر فرمایا:-

"ہم اپنے دکھوں کو دعوت الی اللہ کے ذریعے ہی دور کر سکتے ہیں یہ طوعی چندے کی طرح نہیں ہے کہ نہ بھی ادا کیا تو خیر ہے بلکہ یہ ایک فریضہ ہے اور اس کی ادائیگی لازم ہے اور صرف یہ کہنا کہ ہم حسنِ خلق سے متاثر کر رہے ہیں اور دعوت الی اللہ میں حصہ نہ لینا یہ درست نہیں یہ بزدلی کا بہانہ ہے اور گریز کی راہ ہے...... پس جو کمزور ہیں اور بزدل ہیں وہ ایک طرف ہٹ جائیں جماعت تو لازماً آگے بڑھے گی"۔

(خطبہ جمعہ ۱۱ جولائی ۱۹۸۵ء)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اور آپ کے جانشینوں نے جہاں دعوت الی اللہ کی اہمیت اور ضرورت پر بے حد زور دیا ہے وہاں ایک داعی الی اللہ کو جن صفات سے متصف ہونا اور جن اخلاق حسنہ اور عادات کریمہ کو اپنے اندر پیدا کرنا ضروری ہے اور جس تقویٰ و طہارت اور نیک نیتی کو اس فریضہ کے سرانجام دینے میں مدنظر رکھنا چاہیئے اس کی بھی واضح الفاظ میں نشان دہی فرمائی ہے کیونکہ اس کے بغیر دعوت الی اللہ نہ تو خداتعالیٰ کی نگاہ میں شرف قبولیت حاصل کر سکتی ہے اور نہ ہی اس کے کوئی بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں بنیادی باتیں جو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے بیان فرمائی ہیں وہ یہ ہیں:

"اس کام کے واسطے وہ آدمی موزوں ہوں گے جن..... میں تقویٰ کی خوبی بھی ہو اور صبر بھی ہو پاک دامن ہوں فسق و فجور سے بچنے والے ہوں معاصی سے دور رہنے والے ہوں لیکن ساتھ ہی مشکلات اور دکھ کو برداشت کر کے صبر کریں کوئی مارے تو بھی مقابلہ نہ کریں جس سے فتنہ و فساد ہو جائے دشمن جب گفتگو میں مقابلہ کرتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ ایسے جوش دلانے والے کلمات بولے جن سے فریقِ مخالف صبر سے باہر ہو کر اس کے ساتھ آمادہ بجنگ ہو جائے"

(ملفوظات جلد ۹ ص ۲۷)

پھر فرمایا:-

"ہم چاہتے ہیں کہ کچھ آدمی ایسے منتخب کئے جائیں جو (دعوت الی اللہ) کے کام کے واسطے اپنے آپ کو وقف کر دیں اور دوسری کسی بات سے غرض نہ رکھیں ہر قسم کے مصائب اٹھائیں اور ہر جگہ جائیں اور خدا کی بات پہنچائیں صبر اور تحمل سے کام لینے والے آدمی ہوں ان کی طبیعتوں میں جوش نہ ہو ہر ایک سخت کلامی اور گالی کو سن کر نرمی کے ساتھ جواب دینے کی طاقت رکھتے ہوں جہاں دیکھیں کہ شرارت کا خوف ہے وہاں سے چلے جائیں اور فتنہ و فساد کے درمیان اپنے آپ کو نہ ڈالیں اور جہاں دیکھیں کہ کوئی سعید آدمی ان کی بات کو سنتا ہے اس کو نرمی سے سمجھائیں....... آہستگی اور خوش خلقی سے اپنا کام کرتے ہوئے چلے جائیں"۔

(ملفوظات جلد ۷ ص ۱)

قدرت ثانیہ کے مظہر اول حضرت مولانا نورالدین صاحب نے ایک داعی الی اللہ کی صفات یوں بیان فرمائی ہیں۔

"باہمت واعظ مطلوب ہیں جو اخلاص و صواب سے وعظ کریں عاقبت اندیش، صرف اللہ پر بھروسہ کرنے والے، دعاؤں کے قائل اور علم پر نہ گھمنڈ کرنے والے علماء مطلوب ہیں جن کو فکر لگی ہو کہ کیا کیا جاوے کہ اللہ راضی ہو"۔

(الحکم ۷ اگست ۱۹۰۹ء ص ۲۰)

حضرت فضل عمر نے حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب کو لندن میں دعوت الی اللہ کے بارہ میں جو نصائح فرمائیں ان میں بیان فرمایا:-

"دل محبت الٰہی سے پُر ہو اور تکبر اور فخر پاس بھی نہ آئے جب کسی دشمن سے مقابلہ ہو اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے آگے گرا دیں اور دل سے اس بات کو نکال دیں کہ آپ جواب دیں گے بلکہ اس وقت یقین کریں کہ آپ کو کچھ نہیں آتا اپنے سب علم کو بھلا دیں لیکن اس کے ساتھ یقین کریں کہ میرے ساتھ خدا ہے وہ خود آپ کو سب کچھ سکھائے گا اور دعا کریں اور ایک منٹ کے لئے بھی خیال نہ کریں کہ آپ دشمن سے زیر ہو جاویں گے بلکہ تسلی رکھیں کہ حق کی فتح ہوگی ساتھ ہی خدا کے غنا پر بھی نظر رکھیں خوب یاد رکھیں وہ جو اپنے علم پر گھمنڈ کرتا ہے وہ دین الٰہی کی خدمت کرتے وقت ذلیل کیا جاتا ہے اور اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا لیکن ساتھ ہی وہ جو خدمتِ دین کرتے وقت دشمن کے

رعب میں آتا ہے خدا تعالیٰ اس کی بھی مدد نہیں کرتا نہ گھمنڈ ہو نہ فخر ہو نہ گھبراہٹ ہو نہ خوف ۔ متواضع اور یقین سے پُر دل کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں پھر کوئی دشمن اللہ تعالیٰ کی نصرت کی وجہ سے آپ پر غالب نہ آ سکے گا اگر کسی ایسے سوال کے متعلق بھی آپ کا مخالف آپ سے دریافت کرے گا جو آپ کو معلوم نہیں تو خدا کے فرشتے آپ کی زبان پر حق جاری کر دیں گے اور (خدائی خبر) کے ذریعہ سے آپ کو علم دیا جائے گا۔"

فرمایا

" ہمیشہ کلام نرم کریں اور بات ٹھہر ٹھہر کر کریں جلدی سے جواب نہ دیں اور ٹالا نہ کریں اخلاص سے سمجھائیں اور محبت سے کلام کریں اگر دشمن سختی بھی کرے تو نرمی سے پیش آویں ہر انسان کی خواہ کسی مذہب کا ہو خیر خواہی کریں ۔ حتیٰ کہ اسے معلوم ہو کہ (دین حق) کیا پاک مذہب ہے "۔

(الحکم ۷ مارچ ۱۹۱۵ء)

پھر حضرت امام جماعت (الاوّل) فرماتے ہیں

۱۔ سب سے پہلے داعی الی اللہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ تزکیہ نفس کرے ....

۲۔ تہجد کی نماز داعی الی اللہ کے لئے بہت ضروری ہے ......

۳۔ دعوت کے کام میں مطالعہ بہت وسیع چاہیئے ...... حضرت صاحب کی کتابیں اور پھر دوسرے آدمیوں کی کتابیں اتنی اتنی دفعہ پڑھو کہ فوراً حوالہ ذہن میں آ جائے

۴۔ داعی الی اللہ کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر خادمانہ حیا رکھے ..... داعی الی اللہ خادم ہو اور ایسا خادم ہو کہ لوگوں کے دل میں اس کا رعب ہو خدمت کرنے کے لئے اپنی مرضی سے جائے ...... اگر کوئی شخص کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو اس کو تشفی دینے والا " داعی " ہو کوئی بیوہ ہو تو حسب ہدایات (—) اس کا حال پوچھنے والا اس کا سودا وغیرہ لانے والا اس کے دیگر کاروبار میں اس کی مدد کرنے والا ہمارا " داعی " ہو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے دلوں میں دو چیزیں پیدا ہوں گی ادب ہوگا اور محبت ہوگی تو کل کا نتیجہ ادب ہوگا اور خادمیت کا نتیجہ محبت ہوگی "۔

(الفضل ۲۲ اپریل ۱۹۱۹ء)

قدرت ثانیہ کے تیسرے مظہر حضرت مرزا ناصر احمد صاحب فرماتے ہیں :-

عشقِ قرآن

" اگر کسی شخص نے خدا تعالیٰ کی نگاہ میں حقیقی " داعی الی اللہ " بننا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کریم کی روشنی سے اپنے لئے نور فراست اور عقل کی روشنی حاصل کرے اور قرآن کریم سے انتہائی محبت کرے وہ قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والا ہو قرآن کریم کو غور اور تدبر سے پڑھنے والا ہو قرآن کو یہ سمجھنے کے لئے دعائیں کرنے والا ہو اور قرآن کریم کو سکھانے کے لئے بھی دعائیں کرنے والا ہو "۔

(الفضل ۳، مارچ ۱۹۶۹ء)

جماعت احمدیہ کے موجودہ امام حضرت مرزا طاہر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ نے تو منصب امامت پر متمکن ہوتے ہی جہاں احباب جماعت کو دعوت الی اللہ جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے نہایت مؤثر اور پُر از حکمت الفاظ میں توجہ دلانی شروع کی وہاں آپ نے اس فریضہ کی ادائیگی میں ایک داعی الی اللہ کو جو صفات حسنہ اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے ان کو بھی نہایت واضح اور تفصیلی رنگ میں بیان فرمایا ہے ۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

داعی الی اللہ کو خدا والا بننا چاہیئے

" لوگ بارہا مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم (دعوت الی اللہ) کیسے کریں ؟ ہم دعوت الی اللہ کرتے تو ہیں مگر اثر نہیں دکھاتی (دعوت الی اللہ) وہی اثر دکھاتی ہے جو خدا والے کی (دعوت الی اللہ) ہو جو ان تجارب سے گذرا ہوا ہو جاتا ہو کہ ایک خدا ہے وہ جانتا ہو کہ وہ خدا اس کے ساتھ ہے بارہا اس کے پیار اور قرب کے جلوے دیکھ چکا ہو اس کی بات میں وزن ہوتا ہے اس کی بات کو قوت عطا کی جاتی ہے اس کی بات میں گہرا اثر رکھا جاتا ہے پس یہ باتیں جو میں نے آپ کو بتائی ہیں ان پر آپ قائم ہو جائیں اور پھر (دعوت الی اللہ) کریں اور درد دل سے " دعوت الی اللہ " کریں "۔

(خطبہ جمعہ ۲۸ جنوری ۱۹۸۳ء)

فرمایا :-

" پس جس نے بھی داعی الی اللہ بننا ہے اس کے لئے یہ تو لازم ہو جائے گا کہ پہلے خود وہ رب کو پائے اس سے ذاتی تعلق قائم کرے نہ صرف جماعتی تعلق ۔ اس بات میں حکمتوں کا ایک خزانہ مخفی ہے کہ اس کی طرف بلاؤ اور اسے پانے کے بعد بلاؤ اس کا ثبوت کیا دیا فرمایا (عمل صالح کرو) .... اگر خدا کو تم نے پایا ہے تو اس کا حسن تم میں بھی تو پیدا ہونا چاہیئے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پا لیا ہو اور اسی طرح بدصورت اور بدزیب بے حقیقت اور کریہہ المنظر انسان بنے رہو .... خدا تعالیٰ کی طرف بلانے والے لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں ہوں گے جن کے اعمال گندے ہیں جن کا کردار گواہی دیتا ہے کہ انہوں نے اس ذات سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا جس کی طرف بلا رہے ہیں ۔ تو کل صالح کی شرط سے وہ کیوں محروم ہیں اس لئے کہ وہ ایک خیالی خدا کی طرف بلا رہے ہیں انہوں نے پایا کچھ نہیں اگر پا لیا ہوتا تو خدا تعالیٰ ان کی ذات میں ظاہر ہو جاتا ان کی ذات میں نظر آنے لگتا خدا تعالیٰ کو پانے والوں کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ یہ اعلان کرتے ہیں ع

سر سے لیکر پاؤں تک وہ یار مجھ میں ہے نہاں

یہ امر واقعہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں تقویٰ سے لیس ہو کر عمل صالح سے مزین ہونے کے بعد جن لوگوں نے جہاد شروع کیا وہ علم میں بھی پیچھے نہیں رہے بلکہ خدا تعالیٰ خود ان کو علم عطا فرماتا ہے اور علم ظاہری طور پر کتابیں پڑھنے سے نہیں آتا اصل علم وہ ہے جو خدا تعالیٰ عطا فرماتا ہے "۔

(خطبہ جمعہ ۱۱، مارچ ۱۹۸۳ء)

دعوت الی اللہ اور تعلق باللہ

فرمایا :-

" دعوت الی اللہ کا بھی تعلق باللہ سے بڑا گہرا تعلق ہے کیونکہ نصیحت اس وقت ہی کارگر ہو سکتی ہے جب اللہ سے تعلق قائم ہو ایسے انسان کی نصیحت میں انقلابی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اس لئے تعلق باللہ پیدا کریں اور اس کے اظہار کے طور پر ایک ہو جائیں تب آپ میں وہ عظمت پیدا ہوگی جس کے نتیجہ میں آپ کی نصائح میں ایسی قوت آ جائے گی کہ دوسرا اس کا انکار نہیں کر سکے گا اپنے دلوں کو خدا کی تخت گاہ بنا لو گے تو تم دیکھو گے کہ .... وہ تمہاری آواز پر لبیک کہتے ہوئے دوڑے چلے آئیں گے "۔

(خطبہ جمعہ ۱۳ نومبر ۱۹۸۷ء)

تعلق باللہ کیلئے تقویٰ اور حسن قول ضروری ہے

فرمایا :-

" خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ تقویٰ سے کام لیا جائے جتنا زیادہ کسی میں تقویٰ ہوتا ہے اس کی بات میں بھی اتنا ہی زیادہ اثر پیدا ہوتا ہے .... اس لئے احباب کو چاہیئے کہ بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے وہ اپنے اندر فنی تقویٰ کا معیار بلند کریں .... اللہ تعالیٰ نے دعوت الی اللہ کے ساتھ حسن قول کا ذکر فرمایا ہے اور پھر حسن عمل کا ذکر ہے اس لئے قول بھی حسین کریں اور عمل جو اس حسن قول کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ رکھتا ہے جس کے بغیر آپ کی باتوں میں غیر معمولی برکت پیدا ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص اثر پیدا ہو اگر یہ شرائط آپ پوری کر دیں تو ناممکن ہے کہ آپ کی دعوت بے ثمر رہ جائے "۔

(خطبہ ۳۰ جنوری ۱۹۸۷ء)

داعی الی اللہ پاکباز اور پاک نفس ہو

فرمایا :-

" خدا کرے کہ ہر احمدی مرد ۔ اور ہر احمدی عورت ہر احمدی بچہ اور ہر احمدی بوڑھا اس قسم کا ایک پاکباز اور پاک نفس داعی الی بن جائے جس کی باتوں میں قوت قدسیہ ہو جس کی آواز میں خدا تعالیٰ کی طرف سے صداقت اور حق کی شوکت عطا کی جائے جس کی بات کا انکار کرنا دنیا کے بس میں نہ رہے اس کے دم میں خدا شفاء رکھے اور وہ روحانی بیماریوں کی شفاء کا موجب بنے اللہ تعالیٰ کرے کہ ایسا ہی ہو "۔

(خطبہ جمعہ ۱۱ مارچ ۱۹۸۳ء)

دعوت میں حسن خلق کا بہت دخل ہے

فرمایا :-

" دعوت الی اللہ میں حسن خلق کو بہت ہی دخل ہے اور جتنی آپ کے دل میں نرمی ہوگی بنی نوع انسان کی ہمدردی ہوگی سچائی سے پیار ہوگا تقویٰ ہوگا دل میں خدا کا خوف ہوگا اور اس کے علاوہ حسن خلق بھی ہوگا اتنی ہی زیادہ آپکی دعوت موثر اور نتیجہ خیز ہوگی "۔

(خطبہ جمعہ ۱۹، جولائی ۱۹۸۵ء)

داعی الی اللہ زبان کا میٹھا ہونا چاہیئے

" ایک داعی الی اللہ کی کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا :-

" اس لئے کہ اس کا جذبہ خلوص سچا تھا اس لئے کہ اس کے دل کی بے قرار تمنا

تھی اس لئے کہ وہ دعا کرتا تھا اور ہر ایک خوبی جو داعی الی اللہ میں ہونا ضروری ہے وہ اس میں موجود تھی کہ زبان کا میٹھا تھا سارا علم بے کار ہو جاتا ہے اگر ایک انسان مشتعل مزاج ہو اگر مغلوب الغضب ہو تو وہ دنیا کے کسی کام کا بھی نہیں رہتا خصوصاً اس وقت جب غیر سے مقابلہ ہو اس وقت تو بہت ہی تحمل ہونا چاہیئے اپنے جذبات پر کنٹرول ہونا اور حوصلے سے اس کی دشمنی کی بات کو سننا اور پھر محبت اور پیار سے، اس کو سمجھانا اور جواب دینا یہ دعوت الی اللہ کا ایسا سلیقہ ہے جو اگر کسی کو حاصل ہو جائے تو بڑے بڑے عالموں پر حاوی ہو سکتا ہے - - - - - - - - پس اپنی زبان کو سلیقہ دیں اپنے دل کو سلیقہ دیں دلوں میں مٹھاس پیدا کریں زبان سے جو بات نکلے وہ دل کی مٹھاس میں بہتی ہوئی ہو عجز اور انکسار پیدا کریں پھر دیکھیں کہ خدا تعالےٰ کے فضل سے آپ کی دعوت الی اللہ کو کتنی عظیم الشان برکت ملتی ہے دیکھتے ہی دیکھتے دل فتح ہونے شروع ہو جائیں گے ۔"

(خطبہ جمعہ ۲۸ اگست ۱۹۸۷ء)

روحانی اولاد حاصل کریں

فرمایا :-

"میں نے جماعت کو متعدد مرتبہ توجہ دلائی ہے کہ دعوت الی اللہ کا فریضہ روحانی اولاد کے حاصل کرنے کے نقطۂ نگاہ سے ادا کریں اپنے اندر وہ رجحان اور وہ تڑپ پیدا کریں جو ایک ماں کو بچے کی خواہش کے لئے ہوتی ہے - - - - - - جب تک یہ تڑپ صحیح معنوں میں دعوت میں منتقل نہ ہو جائے اس وقت تک آپ کی دعاؤں میں جان پیدا نہیں ہوگی اس لئے دل میں یہ فیصلہ کریں کہ آپ نے روحانی طور پر صاحب اولاد ہونا ہے ۔"

(خطبہ جمعہ ۴ اکتوبر ۱۹۸۵ء)

دُعا کی ضرورت

فرمایا :-

"سب سے آخر پر لیکن سب سے اہم یہ کہ دعا کی طرف متوجہ کرتا ہوں دعوت الی اللہ کی ہر منزل پر دعا کی عادت ڈالیں دعوت کے دوران دعا کریں گھر جا کر دعا کریں اپنے بچوں کو کہیں کہ دعا کرو اگر آپ اس سنجیدگی کے ساتھ دعوت الی اللہ کی طرف توجہ کریں گے اور اپنا دل بیچ میں ڈال دیں گے اپنی معصوم اولاد کو بھی ساتھ شامل کریں گے اور جذبے کے ساتھ ان کو کہیں گے کہ خدا کے لئے میری مدد کرو میرا دل چاہتا ہے مگر میں مجبور اور بے اختیار ہوں میرا بس نہیں چلتا پھر دیکھیں کہ خدا معصوم بچوں کی دعائیں آپ کے ساتھ شامل کرے گا آپ کے الفاظ میں کتنی عظیم الشان طاقت پیدا ہو جائے گی آپ قوموں کو فتح کرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں لیکن قوموں کو محبت اور پیار کے غالب جذبے اور دعاؤں کے ذریعہ آپ نے فتح کرنا ہے یہ سلیقے سیکھیں اور یہ سلیقے اپنی اولاد کو سکھائیں اگر آپ ایسا کریں گے تو دیکھتے ہی دیکھتے جماعت کی کایا پلٹ جائے گی نئی زندگی پیدا ہو جائے گی نئی روحانیت آپکو عطا ہوگی ۔"

(خطبہ جمعہ ۲۸ اگست ۱۹۸۷ء)

پھر فرمایا :-

"میرا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ حقیقت بھی یہی ہے کہ کسی بھی بڑے سے بڑے عالم کی کوششیں بار آور نہیں ہوتیں جب تک وہ بنیادی طور پر متقی اور دعا گو نہ ہو اور بڑے بڑے ان پڑھ میں نے دیکھے ہیں جن کو دین کے لحاظ سے کوئی وسیع علم نہیں تھا لیکن ان کی باتوں میں نیکی اور تقویٰ تھا ان کو دعاؤں کی عادت تھی وہ بڑے کامیاب داعی ثابت ہوئے اس لئے جو اصل ہتھیار ہے وہ تو ہر احمدی کو مہیا ہے پھر وہ باقی چیزوں کا انتظار کیوں کرتا ہے ۔"

(خطبہ جمعہ ۲۸ جنوری ۱۹۸۳ء)

حضور نے اپنے ۸ نومبر ۱۹۹۱ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا :-

"داعی الی اللہ جس کی جماعت کو ضرورت ہے دعا گو داعی الی اللہ جو ہمیشہ اپنے اعمال کا نگران ہو اور محاسبہ کرنے والا ہو جو ہمیشہ عاجزی اور انکسار کے ساتھ جب بھی اپنے اعمال کی کمزوریوں پر نگاہ پڑے ان کمزوریوں کو خدا کے حضور اس التجاء کے ساتھ پیش کرنے والا ہو کہ جو چاہتا ہے کر گذر مگر ان داغوں کو مٹا دے ان کمزوریوں کو دور فرما دے وہ جس کے نیک اعمال اس کی مواعظہ حسنہ کو حسین بنا رہے ہوں اور ان میں عظیم الشان جذب پیدا کر رہے ہوں جو بار بار کبھی دعا کی طرف متوجہ ہو کبھی اعمال کی طرف پھر اعمال کو دعا کے ساتھ ملا کر مختلف کروٹیں بدلتا ہوا مختلف پہلو اختیار کرتا ہوا اللہ تعالےٰ کے ساتھ لیٹے ہوئے بھی اور اٹھتے ہوئے بھی چلتے ہوئے بھی دعاؤں کے ذریعہ خدا سے سہارے مانگ رہا ہو یہ وہ داعی الی اللہ ہے جس کی جماعت کو ضرورت ہے ۔"

اللہ تعالےٰ ہمیں دعا گو، پاکباز اور پاک نفس داعی الی اللہ بننے کی توفیق عطا فرمائے ۔

مولانا سلطان محمود انور

عالمی قیادت کا بحران
اور
اس کا واحد حتمی حل

امریکہ اور دیگر بعض ممالک کی طرف سے شدت کے ساتھ یہ آواز بلند کی جا رہی ہے کہ موجودہ دنیا ایک ایسے نازک مرحلہ پر پہنچ چکی ہے۔ جہاں ایک سراسر نئے نظام زندگی۔ (NEW WORLD ORDER) کی ضرورت پیدا ہو چکی ہے اس آواز کے پس منظر میں دنیا بھر کے مفکرین اور دانشوروں کی سوچ کی ناکامی کا اقرار مجبور کر رہا ہے کہ نئے نظام کی جستجو کی جائے۔ ان مفکرین اور دانشوروں میں جملہ نظامہائے زندگی کی ناکامی کا اقرار ہے۔ خواہ ان کا تعلق کمیونزم سے ہو یا سرمایہ دارانہ نظام سے یا اور کسی ازم یا نظریہ سے ہو۔ اور اس ناکامی کی ایک بنیادی اور نہایت واضح وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی نظام ایسا موجود نہیں جو یکساں طور پر ساری دنیا کے لئے قابل قبول ہو۔ اور دنیا بھر کی ضرورتوں پر پورا اترنے والا ہو۔ جب تک دنیا کو موجودہ شکل میں ایکدوسرے کے قریب بلکہ ضم ہونے کا موقعہ اور وسائل میسّر نہیں تھے۔ اس وقت تک مختلف نظام اپنے محدود دائرے اور علاقائی سطح پر وقتی ضرورتیں کسی حد تک پوری کرتے رہے۔ لیکن اب دنیا ایک خاندان کی شکل اختیار کر چکی ہے اور ذرائع آمد و رفت اور رسل و رسائل کی سہولتوں نے فاصلوں کو یکسر مٹا کر رکھ دیا ہے۔ ایسے میں کوئی علاقائی یا محدود اثر رکھنے والا نظام انسانی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتا تھا۔ اسی لئے نئے نظام زندگی۔ (NEW WORLD ORDER) کی آواز کو ایک فطری اور طبعی امر سمجھنا چاہیئے۔ لیکن کیا نئے نظام زندگی کو وجود بخشنا انسانی سوچ ہی پر منحصر سمجھنا ہوگا؟ اگر ایسا ہے۔ تو پھر یہ سوال طبعاً اور فوراً ذہن میں اٹھتا ہے کہ اگر ماضی کے طویل تجربات کے بعد انسانی عقل کے وضع کردہ نظامہائے زندگی آج بری طرح ناکام ہو گئے ہیں۔ تو پھر اس امر کی ضمانت کیونکر دی جا سکتی ہے کہ نئے نظام زندگی کے تجویز کرنے میں انسانی عقل وہی غلطیاں نہیں دہرائے گی۔ جن کا خمیازہ آج ساری دنیا بھگت رہی ہے اور اگر بفرض محال کوئی نظام زندگی عقلاً تجویز بھی کر لیا جائے تو کیا ساری دنیا اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہو گی۔

جب کہ دنیا باوجود طرح طرح کی قربتوں کے اپنے مصالح و مفادات کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک دوسرے سے صرف دور ہی نہیں بلکہ نفرتوں کے شعلوں میں تڑپ رہی ہے۔ کہیں لسانی جھگڑے ہیں کہیں رنگ و نسل کے امتیازات ہیں۔ کہیں جغرافیائی حدود وجہ نزاع ہیں اور کہیں امارت و غربت کے فرق نے سوسائٹی کا چین برباد کر رکھا ہے۔ فاصلوں کی کمی اور قربت اپنی جگہ! لیکن نفرتوں اور تعصبات کی موجودگی میں کسی ایک نظام زندگی کو ساری دنیا کے لئے قابل قبول ہونا خصوصاً جب کہ اس نظام کو تجویز کرنے والے وہی ممالک یا وہی طاقتیں ہوں جنہوں نے پہلے ہی ساری دنیا کا بُری طرح استحصال کر رکھا ہے۔ اور ان کے خلاف ہر سطح پر نفرت اور بغاوت کے جذبات بہت نمایاں ہیں۔ اسے ایک موہوم امید کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

سوال یہ ہے کہ پھر ایسے حالات میں دنیا کے لئے عالمی قیادت اور عالمی وحدت کی کیا امکانی صورت ہو سکتی ہے۔ سو واضح ہو کہ اس نہایت اہم سوال کا جواب دینے سے قبل چودہ سو سال پیچھے اس مبارک عہد کی طرف لوٹنا ہوگا۔ جب کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے دو باتوں کو بڑی تحدّی کے ساتھ بیان فرمایا۔

اوّل۔ یہ کہ ایک ایسا زمانہ دنیا پر آنے والا ہے۔ جب فاصلے کم ہو جائیں گے۔ قومیں قوموں سے مل جائیں گی۔ مشرق و مغرب باہم ملتے نظر آئیں گے۔ اور اقوام عالم کا اجتماع ہوگا۔ یہ گویا چودہ صدیاں قبل آج کی دنیا کا واضح اور غیر مبہم نقشہ بیان کر دیا گیا تھا۔ اور عین اسی کے مطابق آج دنیا کی شکل بن چکی ہے۔ اور مخبر صادق صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات حرف بحرف پوری ہو چکی ہے۔

(ب) عالمگیر سطح پر باہمی قربتوں کے فوائد بھی ہونے چاہیئے تھے۔ لیکن نتائج بتاتے ہیں کہ فوائد کی نسبت مضرات اور مفاسد بہت غالب رنگ پکڑ چکے ہیں۔ مثلاً:۔

ا:۔ اقوام کے باہمی قرب اور ملاپ سے نظریات کے تصادم کھل کر سامنے آ گئے اور دنیا ذہنی۔ فکری اور نظریاتی انتشار کا بری طرح شکار ہو چکی ہے۔

ب:۔ آزادانہ ملاپ سے اخلاقی قدریں پامال ہو گئی ہیں۔

ج:۔ خود غرضی۔ نفسا نفسی کی دوڑ شروع ہو کر جائز ناجائز کا احساس اس حد تک مٹ گیا کہ قانون کی حکمرانی کی بجائے "جنگل کا قانون" سوسائٹی میں عالمی سطح پر چھا گیا ہے۔ اور راہبر بلا امتیاز راہزن بن گئے ہیں۔

د:۔ دیکھا دیکھی دولت کی حرص نے انسان کو خالق حقیقی سے دور بلکہ بے نیاز بنا کر رکھ دیا ہے اور عاقبت کی فکر معدوم ہو گئی ہے۔

ھ:۔ مفادات کے تصادم سے نفرت، تعصب اور بغض نے دنیا بھر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ اور طبقاتی تقسیم لاعلاج قرار پا گئی ہے۔

مندرجہ بالا وہ خرابیاں ہیں جو ساری دنیا میں غالب آ چکی ہیں۔ اور ان کو ثابت کرنے یا محسوس کرنے کے لئے کسی کاوش کی ضرورت نہیں۔ ہر ذی شعور انہیں تسلیم کرتا ہے۔ اور اب ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ کوئی ایسا نظام یا اہتمام ہو جسکے نتیجہ میں:۔

ا:۔ دنیا کو نظریاتی اور فکری انتشار سے نجات مل کر فکری وحدت نصیب ہو۔

ب:۔ اخلاقی قدریں دوبارہ استوار ہوں۔

ج:۔ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی تمیز دنیا کو نصیب ہو اور سب سے زیادہ قیادت اس کا نمونہ بن کر ابھرے۔

د:۔ دنیا کی چکاچوند اور زر و دولت کی غلامی سے انسان کو رہائی ملے۔

ھ:۔ باہمی نفرتوں کی بجائے اخوت، بھائی چارہ اور خیر خواہی کے احساسات زندہ ہوں اور انسانیت کو مساوات کی لڑی میں پرو دیا جائے۔

دوئم:۔ ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا مقاصد کی تکمیل کسی سیاسی کاوش یا دنیاوی بھاگ دوڑ سے اگر ممکن ہو سکتی۔ تو آج تک دنیا ایک نئے رنگ و روپ میں آ چکی ہوتی۔ لیکن مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں چودہ صدیاں قبل موجودہ حالات کی پوری تصویر بیان فرمائی وہاں آج کی دنیا کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے حقیقی وحدت کے قیام کی خوشخبری بھی دے رکھی ہے۔ اور یہ عالمی وحدت بالکل اسی نہج پر قائم ہو گی جس طرح ایک چھوٹے سے چھوٹے یونٹ میں یا ابتدائی اور نچلی سطح پر نظام زندگی رائج چلا آیا ہے مثلاً خاندان میں وحدت کا قیام اس امر پر منحصر ہے کہ خاندان کا ایک سربراہ ہو جس کی قیادت اور اطاعت میں ہی خاندان کا اتحاد قائم ہو سکتا اور پھر برقرار رہ سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک تاکید فرمائی کہ جب دو آدمی سفر پر روانہ ہوں تو ان میں ایک کی حیثیت امیر کی اور دوسرے کی تابع والی ہو۔ تو سفر میں وحدت کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں۔ اگر دونوں ہی اپنی اپنی من مانی کریں گے تو اتحاد کی قوت سے محروم ہو جائیں گے۔ پس جب ادنیٰ ترین سطح پر بھی دو میں سے ایک کا بطور امیر تسلیم کیا جانا ضروری ہے۔ تو بڑے حلقہ میں امیر یا قائد کی ضرورت کہیں زیادہ ہو گی۔ اور یہی عمل دو افراد سے خاندان پھر خاندان سے محلہ / بستی / شہر / ضلع / صوبہ اور ملک کی سطح پر اسی انداز سے جاری و ساری ہوگا۔ تو وحدت کسی نہ کسی شکل میں موجود رہے گی۔ اب ملک کی سطح سے بات آگے بڑھ کر ساری دنیا کی وحدت اور قیادت کا سوال اہمیت پکڑ چکا ہے۔ اور NEW WORLD ORDER سے بھی مراد ایک عالمی قیادت کی تلاش ہے۔ جو ساری دنیا کی قیادت کا عظیم کام انجام دے سکے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قیادت کی ضرورت کو چودہ صدیاں قبل واضح فرمایا تھا کہ جب عالمگیر رابطے بڑھیں گے اور ساری دنیا ایک خاندان کی شکل میں ابھرے گی تو اس کی سربراہی کے لئے ایک ایسے وجود کی ضرورت کھل کر سامنے آ جائے گی جو عالمی قیادت کی مسند سنبھال کر دنیا بھر کو پیش آمدہ مشکلات اور مسائل سے نجات دلائے اور ساری

انسانیت کو مساوات اور اخوت کی لڑی میں پرو دے۔ ایسے عظیم الشان وجود کے جو اوصاف بیان فرمائے وہ مختصراً یوں سامنے آتے ہیں کہ

اوّل:۔ وہ کسی کے ووٹ / تائید وحمایت یا پسند ناپسند کا محتاج نہیں ہوگا۔ بلکہ خود خدائے عرش اسے قائم فرمائے گا

دوئم:۔ اس کا مقام خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ ہوگا کہ وہ امام ہوگا۔ گویا دنیا اس کے پیچھے چلنے کی پابند ہوگی اور وہ قیادت کرے گا۔

سوئم:۔ چونکہ وہ خدائے عرش کی طرف سے قائم ہوگا۔ اس لئے کسی نسبی / قومی علاقائی / یا ملکی نسبت سے اس کا دامن پاک ہوگا۔ ساری دنیا کے بسنے والے انسان اس کی نگاہ میں برابر متصور ہوں گے اور سب کا مفاد برابر طور پر اسے عزیز ہوگا۔

چہارم:۔ اس کی رائے یا فیصلہ سب کے لئے BINDING ہوگا۔ اس کی دو بڑی وجہ ہیں

۱۔ چونکہ اسے خدا تعالیٰ قائم فرمائے گا۔ اس لئے اُسے باقی تمام لوگوں پر فوقیت ہونا لازمی ہے۔

۲۔ وہ خدا کی راہنمائی میں اور آسمانی روشنی میں فیصلے کرے گا۔ جہاں انسانی عقل ٹھوکر کھا سکتی ہے اسے بوجہ خدائی راہنمائی کے ایسی ٹھوکروں سے تحفظ حاصل ہوگا۔

پنجم:۔ انسان کی عقل نے جس قدر اختلاف و انتشار کو جنم دیا ہے۔ اس فکری و ذہنی انتشار و اختلاف کو وہی وجود ختم کرسکتا ہے جس کے فیصلے انسانی عقل کی سطح سے بلند ہوں اور وہ تبھی ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہنمائی میں اس کے فیصلے ہوں

ششم:۔ اسے خدا تعالیٰ کے کھڑا کرنے کی وجہ سے دنیا و مافیہا سے کلی بے رغبتی ہوگی۔ کیونکہ اس کی تمام کاوشوں کا اجر انسان کی خالق و مالک خدا کی ذات سے ہوگا۔ اور اسی وجہ سے اس کا دامن ہر قسم کے داغ سے پاک اور مبرا ہوگا۔ ورنہ بھٹکا ہوا انسان اس کی اتباع کے لئے تیار نہ ہوگا۔

ہفتم:۔ اس کے دامن سے وابستگی انسان کو اخوت و مساوات کے رشتے میں پرو دے گی۔ ایک ہی قائد و امام کے تابع ہونے سے ہی باہمی وحدت اور اکائی قائم ہوسکتی ہے جس کی آج انسانی سوسائٹی کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

مندرجہ بالا سات بنیادی باتیں جس قائد یا امام میں موجود ہوں وہی آج کی دنیا کی یکجہتی اور امن و تعاونِ باہمی کا ضامن ہوسکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ صدیاں قبل دنیا بھر کی مشکلات اور مسائل کا خدا تعالیٰ سے علم پاکر اس کا حل یہی تجویز فرمایا کہ ساری دنیا میں باہمی قربتوں کے بڑھنے سے دنیا بھر کو ایک قیادت کے تابع کرنے سے مسائل حل ہو سکیں گے۔

اور ایسی قیادت کے جملہ اوصاف کو کمال خوبی سے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو لفظوں میں جمع کر دیا کہ آخری زمانہ کی اصلاح کے لئے خدا تعالیٰ اَلْاِمَامُ الْمَهْدِیْ کو کھڑا کرے گا۔ یعنی ایسا خاص الخاص قائد یا امام جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ اور خدا کی راہنمائی میں کام کرنے والا ہو اور جس کی ذات دنیا بھر کے مسائل کو حل کر دینے کی ضامن قرار دی۔ اس عظیم امام المہدی کے تصور کو اسی لئے گذشتہ چودہ صدیوں سے تمام عالم اسلام نے اپنا رکھا ہے۔

پروفیسر میاں محمد افضل

قادیان کی سحر انگیز خطابت کی یادیں

قادیان کے ہائی سکول نے علم کی شمعیں روشن کیں۔ ان قابل اساتذہ کے سینکڑوں شاگرد آج دنیا کے مختلف حصوں اور علم کے مختلف میدانوں میں اپنی اپنی شمعیں روشن کئے ہوئے ہیں مگر وہ نور جو اس سکول کے آنگن میں برسا جو درخشانی اس نے پیدا کی۔ وہ نور، وہ روشنی وہ علم کی چکا چوند کہیں اور نہیں مل سکے گی۔ یہ سکول کا آنگن ہی تو تھا جو کہ جلسہ گاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ اور یہ جلسہ گاہ تھی۔ جہاں انوار رحمت نازل ہوتے۔ جس کی فضا میں جیّد علماء کی آوازیں گونجیں۔ ایسے رطب اللسان مقرر۔ ایسی روانیٔ تقریر۔ ایسا تبحّر علمی کہ لوگ مبہوت ہوئے سن رہے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ چاول کے خشک مہمان نواز پودے جو فرشِ زمین پر بکھرے ہوئے ہیں وہ بھی اس جادو بیانی سے ایک انگڑائی لیتے ہیں اور ان مردہ پودوں میں بھی گویا جان پڑ جاتی ہے مگر وہ جن کے اندر علم کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا تھا آج ان میں سے اکثر اپنا جادو جگا کر اپنے رب کے حضور حاضر ہو چکے ہیں۔ مگر یہ سب تقریریں۔ یہ سب خطاب تو محض تمہید تھی اس پُرشکوہ اور معرکۃ الآراء خطاب کی جو ایک نورانی وجود کا ہی حصّہ تھا۔ وہ جب بولتا تو پھول جھڑتے۔ بات کرتا تو دقیق سے دقیق، مسائل بڑی آسانی سے حل ہو جاتے سامعین کا معتدبہ حصہ ناخواندہ یا کم تعلیمیافتہ احباب پر مشتمل ہوتا لیکن کیا انداز تھا کیا حسن بیان تھا کہ تقریر ہے کہ دل میں اترتی چلی جاتی ہے اور کم پڑھے لکھے سامع بھی ہمہ تن گوش۔ بڑھتی ہوئی سردی سے بے نیاز خنک ہواؤں سے لاپرواہ ایک محویت کے عالم میں دم بخود بیٹھے ہیں۔ جب اس اللہ کے پیارے نے اللہ کی رحمتوں اور اس کے فضلوں کا تذکرہ کیا تو راقم نے دیکھا کہ آسمان سے محبت کے آنسو چھلک پڑے۔ فضلوں کی برسات ہو گئی۔ بارش چھما چھم برسی مگر سامعین کی محویت کا یہ عالم تھا کہ نہ کوئی جنبش ہوئی نہ کسی نے اٹھ جانے کی کوشش کی۔ سب علم کے موتی چنتے رہے اور اللہ کے فضلوں سے جھولیاں بھرتے رہے۔ کپڑے بھیگ گئے۔ زمین تر بتر ہو گئی مگر نہ تقریر کی روانی میں فرق آیا نہ سننے والوں کے اشتیاق میں کمی واقع ہوئی۔ ایک سحر تھا جو سب کو مسحور کئے رہا۔ تقریر دلپذیر تھی۔ جس نے ایک لحظہ کے لئے بھی اٹھنے کی اجازت نہ دی۔

یہ تو تھا تقریر کا انداز اور پھر موضوعات بھی کہ اتنے متنوع کہ ان میں زمانے بھر کے علم سمو جاتے۔ وہ ذہین و فہیم انسان۔ وہ پرنور وجود۔ وہ عظیم المرتبت امام۔ وہ دل موہ لینے والا مقرر کبھی سامعین کو عالم روحانی کی سیر کراتا۔ کبھی مقابر اور قلعوں کی تصویر کشی کر کے مقام عبرت کی طرف توجہ دلاتا۔ کبھی سائنسی علم میں غوطہ زن ہو کے گوہر بدست نکلتا۔ کبھی فلسفہ کے دقیق مسائل سمجھاتا۔ کبھی قرآن کریم کی ایسی (تشریح) پیش کرتا جس میں اتنی گہرائی۔ اتنی ندرت ہوتی کہ آج تک کسی کی سوچ وہاں تک نہ پہنچی ہوتی۔ اور جب وہ جادو بیان مقرر جس کی سامع پہ گہری نظر ہوتی محسوس کرتا کہ فلسفہ اور مذہب کے دقیق مسائل سن کے سامع کی آنکھوں میں وہ فہم وادراک کی چمک مفقود ہو رہی ہے تو ایک کھنکتا ہوا لطیفہ محفل کو زعفران زار بنا دیتا۔ بلکہ وہ گتھیاں جو کم علم والوں سے نہیں کھل رہی تھیں وہ بھی سلجھ جاتیں۔ ایک عمدہ مثال اور ایک خوبصورت لطیفہ مسائل کی باریکی کو سمجھا جاتا۔ سورج انتظار میں ہوتا کہ تقریرِ دلپذیر ختم ہو تو وہ رخصت چاہے۔ مگر اس کی بھی اپنی مجبوری ہے۔ سو آخر اسے بادل ناخواستہ رخصت ہونا پڑتا شام کا دھندلکا پھیل جاتا۔ اور پھر گہری شام ہوتی چلی جاتی مگر انوار کی بارش ہے کہ برسے چلی جا رہی ہے قمقمے جگمگا اٹھتے دیئے روشن ہو جاتے مگر وہ روشنی جو سٹیج سے پھوٹ رہی ہوتی وہ زیادہ روشن اور زیادہ فروزاں ہوتی۔ آخر ہاتھ دعا کے لئے اٹھتے۔ ہر کوئی اللہ کے حضور گڑگڑا رہا ہوتا، ہچکیاں بندھ جاتیں۔ آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ ایک اور برسات زاری والحاح سے کی گئی۔ دعاؤں کی پیدا کردہ برسات معلوم ہوتا اللہ میاں قریب آ گئے دعائیں قبول ہوئیں۔ دل ہلکے ہوتے۔ گناہ دھل گئے۔ تسکینِ قلب ملی۔ ایک طمانیت ملی۔ سکون میسر آ گیا اور پھر ہاتھ منہ تک پہنچتے ہی تھے کہ ایک نہایت سہانی ایک بہت ہی پیاری نہایت دلکش سلام کی آواز پھر کانوں میں گونجتی۔

یہ الوداعی پیغام تھا جو سلامتی دیتا چلا گیا۔ یہ پیاری آواز آج بھی کانوں میں گونج رہی ہے۔ آج بھی اس کا ارتعاش محسوس ہوتا ہے۔ مگر اب تو وہ محض ایک حسین یاد رہ گئی ہے۔ ایک خوبصورت آواز جو ماضی کی تہوں میں لپٹ لپٹا کے کہیں محفوظ ہو گئی۔ شاید سائنس کی کوئی ایجاد اس آواز کو ایک بار پھر سنا دے۔ مگر ہماری قسمت کہاں۔ خوش نصیب ہوں گے وہ جو اس سہانی آواز کے ارتعاش کو پھر سے محسوس کریں گے۔

جی چاہتا ہے کہ جلسۂ قادیان کی روئداد لمبی ہوتی چلی جائے۔ سہانی یادیں ماضی کے چلمن سے جھانکتی جائیں اور میں ان حسین نظاروں کی تصویر کشی کرتا چلا جاؤں۔ مگر دنیا ہی بدل گئی۔ فضا بدلی۔ ماحول بدلا۔ وہ عظیم انسان رخصت ہوا مگر یہ غنیمت ہے کہ ایک اس جیسا وجود آج کے جلسۂ قادیان کا مہمان ہو رہا ہے۔ پھر قادیان کی جلسہ گاہ ہجوم خلق کا نظارہ پیش کرے گی۔ پھر ایک وجود سامعین کے کانوں میں رس گھولے گا۔ پھر وہ نور سے جھولیاں بھریں گے اور پھر قادیان کی بستی پہ ایک نور نازل ہو گا ایک نیا سویرا ہویدا ہو گا۔ تبدیلی کی نوید ملے گی۔ فریادیوں کی فریادیں سنی جائیں گی۔ اللہ کی رحمتوں اور فضلوں سے ہر وجود شاداں و فرحاں ہو گا اور ہر دل اللہ کی حمد کے ترانے گائے گا۔ اللہ کرے ہم بھی ان خوش نصیبوں میں شامل ہوں۔

عبد الباسط شاہد

مالی قربانی کا روح پرور نظارہ

مجلس شوریٰ میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے مندرجہ ذیل ارشاد کی تعمیل کے متعلق غور ہو رہا تھا۔

”میں ایک ضروری امر کی طرف دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس منارہ میں ہماری یہ بھی غرض ہے کہ مینار کے اندر یا جیسا مناسب ہو ایک گول کمرہ یا کسی اور وضع کا کمرہ بنا دیا جائے جس میں کم سے کم سو آدمی بیٹھ سکیں اور یہ کمرہ وعظ اور مذہبی تقریروں کے لئے کام آئے گا کیونکہ ہمارا ارادہ ہے کہ سال میں ایک یا دو دفعہ قادیان میں مذہبی تقریروں کا ایک جلسہ ہوا کرے اور اس جلسہ میں ہر شخص ... اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے مگر یہ شرط ہو گی کہ دوسرے مذہب پر کسی قسم کا حملہ نہ کرے فقط اپنے مذہب اور اپنے مذہب کی تائید میں جو چاہے تہذیب سے کہے۔“

حضرت مرزا شریف احمد صاحب اس غرض سے قائم کی گئی سب کمیٹی کی رپورٹ پڑھ کر سنا رہے تھے کہ حضرت فضلِ عمر اپنی کرسی سے اٹھ کر خاموشی سے سجدہ میں گر گئے اور باقی حاضرین نے بھی حضور کی اقتداء میں ایسا ہی کیا۔ سجدہ سے سر اٹھا کر حضور نے ایک نہایت رقت انگیز تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

آج سے ۴۵ سال پہلے وہ شخص جس کی جوتیوں کا غلام ہونا بھی ہم اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں۔ اسے اس وقت کی اپنی جماعت کی حالت دیکھتے ہوئے ایک بہت بڑا مقصد اور کام یہ نظر آیا کہ ایک ایسا کمرہ بنایا جائے جس میں سو آدمی بیٹھ سکیں مگر آج ہم ایک ایسے کمرہ میں بیٹھے ہیں جو اس غرض سے نہیں بنایا گیا کہ مختلف مذاہب کے لوگ اس میں تقریریں کریں مگر اس میں پانچ سو کے قریب آدمی بیٹھے ہیں وہ بھی کرسیوں پر جو زیادہ جگہ گھیرتی ہیں... آج خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے جماعت کو اتنا بڑھا دیا اور ایسے سامان پیدا کر دیئے ہیں کہ اس وقت جو بات بڑی معلوم ہوتی تھی۔ آج بہت ہی معمولی اور حقیر سی نظر آتی ہے اور آج جو چیز بہت بڑی معلوم ہوتی ہے وہ کل حقیر ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہی سلوک برابر چلا جا رہا ہے۔

اس بات کا خیال کر کے ... کی طرح دل بھر آتا اور آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں کہ کاش جماعت کی یہ ترقی ... کے زمانہ میں ہوتی تا آپ بھی اس دنیا میں اپنے کام کے خوشکن نتائج دیکھ لیتے۔ شدت جذبات کی وجہ سے حضور کی آواز گلوگیر ہو گئی اور کچھ توقف کے بعد حضور نے نمائندگان شوریٰ کو اس تجویز کے متعلق اظہار خیال کرنے کی دعوت دی۔ یاد رہے کہ سب کمیٹی نے اس مقصد کے لئے بجٹ میں جماعت کی مالی ذمہ داریوں اور وسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے دو ہزار روپے کی رقم رکھنے کی سفارش کی تھی۔

نمائندگان میں سے میاں غلام محمد صاحب اختر نے بڑے اخلاص سے کہا کہ میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ اس مقصد

کے لئے بجٹ میں کوئی رقم نہ رکھی جائے بلکہ ہم خدام سے جس قدر رقم کی ضرورت ہے انفرادی طور پر لی جائے تاکہ بجٹ کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔ حضور کی تجویز کہ سو آدمیوں کی گنجائش کے لئے کمرہ بنایا جائے اسے سو گنا بڑھا کر جتنی رقم کی ضرورت ہو ہم پیش کریں گے۔ اس گفتگو کے دوران چوہدری اسد اللہ خاں صاحب نے دو ہزار کی رقم حضور کی خدمت میں پیش کر دی جس پر حضور نے فرمایا کہ ۲ ہزار کا تو اب سوال نہیں یہ تو ایک شخص نے ہی دے دیا ہے۔ اس پر مجلس شوریٰ میں ایک عجیب نظارہ دیکھنے میں آیا۔ نمائندگان میں سے ہر شخص بڑے اخلاص اور مسابقت فی الخیرات کے جذبہ اور جوش سے اپنا اپنا چندہ اور وعدہ حضور کی خدمت میں پیش کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کی فہرست تیار کرنے کے لئے حضور کو دوسرے کارکنوں کی مدد حاصل کرنی پڑی۔ حضور نے وعدوں اور رقوم کی اس بارش میں اعلان فرمایا کہ اگر جماعت کے وعدے دو لاکھ سے کم رہ گئے تو ساری کمی میں اپنی طرف سے اپنے خاندان کی طرف سے اور چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب اور ان کے دوستوں اور سیٹھ عبداللہ بھائی صاحب کے خاندان اور جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے پوری کر دوں گا۔

ایثار و قربانی کے اس عجیب مظاہرہ کے بعد جب فہرست تیار ہوئی تو معلوم ہوا کہ پانچ سال کی بجائے (جو مدت اس چندہ کے لئے مقرر کی گئی تھی) سوا گھنٹے میں اور ساری جماعت کی بجائے ایک بہت محدود تعداد نے فی منٹ تین ہزار روپے کی رفتار سے دو لاکھ کی بجائے دو لاکھ بائیس ہزار سات سو چونسٹھ روپے نقد اور وعدوں کی شکل میں انتہائی خلوص و محبت سے پیش کئے اس امر کے اعلان کے ساتھ ہی حضور نے یہ کہتے ہوئے دوبارہ سجدہ کیا کہ یہ سجدہ شکر ہے۔ اور تمام حاضرین سمیت نہایت گریہ وزاری اور رقت سے دعا کی۔ سجدہ سے اٹھنے کے بعد حضور نے فرمایا۔

"بعض مواقع پر بولنے سے خاموشی زیادہ اچھی ہوتی ہے اس لئے میں اس جلسہ کو اللہ کے نام پر ختم کرتا ہوں اور دوستوں کو واپسی کی اجازت دیتا ہوں۔ مجھے جو کچھ کہنا ہوگا بعد میں خطبات میں کہوں گا۔"

آغا سیف اللہ ۔ ایم اے ایل ایل بی

جماعت احمدیہ کی یکجہتی کے ذرائع

دور حاضر میں رسل و رسائل اور وسائل سفر کی آسائش نے مختلف ممالک اور اقوام کے درمیان روابط کو سہل بنا دیا ہے ۔ ایسی صورت حال میں عالمگیر جماعت احمدیہ کے لئے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ دُنیا کے مختلف علاقوں اور نسلوں میں بسنے والے احمدی افراد کی اس انداز میں علمی ۔ روحانی اور اخلاقی تربیت کرے کہ وُہ مستعد ۔ فعال اور مستحکم یقین کے حامل افراد ثابت ہوں ۔ جو نوع انسانی کی کامل بہبُود اور فلاح کے لئے ایک مسلسل اور منظم اجتماعی جدّ و جہد کرتے چلے جائیں ہمارا مطمح نظریہ ہے کہ عہد رفتہ کے مدارج عالیہ بحال ہوں اور مستقبل میں تغیّر پذیر حالات کے تقاضے بھی "دین حق" کی روشنی میں پورے ہوتے چلے جائیں ۔

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ (اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ پر سلامتی نازل فرماتا رہے) نے ان مقاصد کے حصول کے لئے ٹھوس علمی بنیادیں فراہم کیں ۔ اخلاقی و روحانی تربیّت کے دائمی اصولوں کی دلکش پیرایہ میں وضاحت فرما دی ۔ ایک گلشن کی بناء رکھی اور اپنے انفاخ قدسیہ اور عاجزانہ مستجاب دعاؤں سے اس کی آبیاری کی آپ نے اپنی زندگی میں باعمل اور نیک نمونہ کے حامل راستباز افراد پر مشتمل جماعت تیار کر دی ۔

اس جماعت کو صحیح راہ پر گامزن رکھنے کے لئے آپ نے اپنے بعد آسمانی تائید پر مبنی ایک ٹھوس نظام کی خبر دی اور وہ ذریعہ بتا دیا کہ جس سے جماعت کو حفاظت کا حصار میسّر رہے اور اس کی اجتماعی کاوش احسن رنگ میں ثمر آور رہے ۔ اور افراد جماعت کبھی بھی اپنے اجتماعی فرائض سے غافل نہ ہوں ۔

حضور نے جماعت کی علمی صلاحیت میں اضافہ اور ارتقاء نیز اخلاقی و روحانی تربیت اور قومی اتحاد کے لئے جو امور بیان فرمائے ہیں ۔ اُن میں سے ایک اہم اور بنیادی امر جلسہ سالانہ کا انعقاد ہے ۔ اس سعید موقع پر مختلف دینی ، سماجی اور معاشرتی موضوعات پر امام جماعت کے علاوہ اہل بصیرت و صاحب علم و دانش اور مُوقّر علماء کرام تقاریر کرتے ہیں ۔ ان ایّام میں احباب جماعت کو نیک اور مشفق بزرگوں کی صحبت میسّر آتی ہے ۔ ماحول میں عبادت اور دعاؤں میں انہماک اور محویّت کی کیفیت پائی جاتی ہے ۔

دنیا بھر سے آئے ہوئے احمدی باوجود رنگ و نسل ۔ ثقافت اور طبائع میں امتیاز اور اختلاف کے باہم پیار اور مودّت کے رشتوں میں منسلک سینوں میں جذبات تشکر اور حمد لئے بڑے اشتیاق سے باہم بغل گیر ہوتے ہیں ۔ اس اپنائیت اور یگانگت سے ناآشنا آنکھ کے لئے یہ سماں موجب رشک ہوتا ہے ذرائع معاش کی تلاش و دیگر ضروریات کی وجہ سے پاکستان میں بکھرے ہوئے احمدی احباب کے لئے جلسہ سالانہ پر اکٹھا ہو جانا ایک ایسی نعمت تھی جس کا کوئی بدل نہیں ان کے لئے سال میں ایک وسیلہ تھا کہ دوست اور عزیز و اقارب نہایت خوشگوار اور پُر خلوص فضا میں ملتے بلاشبہ جلسہ سالانہ کے ایام میں احباب جماعت کے درمیان تعلقات میں استواری آتی ہے سماجی بندھن مضبوط ہوتے ہیں نئے رشتے طے پاتے ہیں اور متفرق خاندان ایک ہو جاتے ہیں اسی طرح سے جماعتی یکجہتی ۔ باہمی محبت اور اتحاد کو تقویت ملتی ہے ۔ یہ وابستگی صرف زندہ افراد جماعت کے درمیان ہی محدود نہیں بلکہ احمدی مرد و زن ماضی میں وفات پا جانے والے اپنے اکابر ۔ بزرگوں اور عزیزوں کی قبور پر جاتے ہیں اور روحانی اخوت کے ناطے سے نہایت احترام کے ساتھ ان وفات شدگان کے لئے رحمت خداوندی کے طلبگار ہوتے ۔ جس سے جماعتی یکجہتی کا دائرہ حال سے ماضی تک ممتد ہو جاتا ہے ۔

جب مختلف ممالک کے نمائندگان دوران جلسہ اپنی تقاریر و دیگر مواقع پر اپنے اپنے ملک میں سلسلہ کی و دیگر خدا کے فضلوں اور انعامات کو بیان کرتے ہیں تو اس سے احباب جماعت میں ایک نیا حوصلہ اور عزم اُجاگر ہوتا ہے ۔ وہ اپنی اجتماعی کوششوں کے امکانی ثمرات کو عالم وجود میں نمودار ہوتے محسوس کرتے ہیں ۔ انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ ایک بیج سے اُگنے والی دُنیا کی نگاہوں میں کمزور سی کونپل اب تناور اور شیریں ثمر آور درخت کا روپ دھارنے لگی ہے ۔ اور اس بیج بونے والے کی محنت ہرگز اکارت نہیں گئی ۔ بلکہ تدریجی مراحل سے گذرتے ہوئے اپنی حقیقی غرض کو پا لے گی ۔

ہم جب اپنے پیارے امام کے خطابات میں سال گذشتہ میں حاصل ہونے والی برکات کا ذکر اور جماعت کی جانب سے مخلصانہ خدمات کے اعداد و شمار سنتے ہیں تو قومی یک جہتی اور وحدت پر ہمارا اعتماد بڑھتا ہے ۔ اور قلوب و اذہان میں یہ حقیقت گھر کر لیتی ہے کہ عالم گیر اخوّت کے رشتوں کی برکات انفرادی اور جماعتی زندگی کے لئے نعمتِ خداوندی ہیں ۔ اور یہ کہ ہمیں اپنی بساط کے مطابق کسی قومی خدمت یا مالی و جانی ایثار کے لئے ناز یا فخر نہیں کرنا چاہیئے اور نہ ہی کسی رنگ میں اس پر کسی بدلے یا استحقاق کا طلبگار ہونا چاہیئے ۔ بلکہ ایسے تمام وساوس اور خیالات کفران نعمت اور بے ادبی کا موجب ہیں ۔ جماعت میں شمولیّت سے جو اخوت ہمیں میسر آئی ہے وہ خدا کا عظیم احسان ہے ۔ اور اس احسان کے طفیل ہی باہم شفقت مواساۃ اور ہمدردی میسّر ہے ۔ اور انہی صفات پر ہمارے قومی استحکام اور اتحاد کی عمارت قائم ہے ۔

جلسہ سالانہ کا ماحول مختلف خدمات پر مامور مرد و زن ۔ بچّے بوڑھے اور جوان جس ولولہ ۔ جوش اور ان تھک محنت کے ساتھ اپنے ذمہ فرائض بجالاتے ہیں ۔ اُس سے ہمارا قومی وجود مستحکم ہوتا اور جماعتی وحدت کا تشخّص عیاں ہوتا ہے ۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیّہ فرماتے ہیں :-

"میں دو ہی مسئلے لے کر آیا ہوں اوّل خدا تعالیٰ کی توحید اختیار کرو اور دوسرے آپس میں محبّت و ہمدردی ظاہر کرو ۔ وہ نمونہ دکھاؤ کہ غیروں کے لئے کرامت ہو ۔

قرآن شریف کے بڑے حکم دو ہی ہیں ایک توحید و محبت و اطاعت باری عزّ اسمہٗ دوسری ہمدردی اپنے بھائیوں اور بنی نوع کی ۔"

" تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو باہم ایسے ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی "

ہمارے اتحاد ۔ مواساۃ اور یکجہتی کا بنیادی ستون حضرت بانی سلسلہ کی نیابت میں قائم " امامت ہے " اپنے امام سے وابستگی ۔ ان کے ارشادات کا احترام اور انشراحِ قلب سے ان کی اطاعت ہمارا جماعتی امتیازی وصف ہے ۔ حضرت امام (ایدہ اللہ تعالیٰ) وہ نقطۂ مرکزی ہیں جن کے گرد احباب جماعت پروانوں کی طرح اکٹھے ہوتے ہیں اور اس رشتہ سے بمنزلہ بھائیوں کے جماعتی زندگی بسر کرتے ہیں ۔ اپنے امام کے لئے غیرت ۔ قلبی لگاؤ اور اخلاص اللہ کے فضلوں اور انعامات سے قومی رنگ میں مسلسل مستفیض ہونے کے لئے شرط ہے ۔

سارے آئمہ کرام کی اطاعت و محبت رُشد کی راہ ہے ۔ لازم ہے کہ انتہائی جذبات میں بھی ائمہّ جماعت کے قائم کردہ نظام کی اہمیت کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں ۔ اس کی وجہ سے باہمی اخوت کے قاطع بہت سارے اخلاق رذیلہ بخل ۔ کینہ ۔ حسد ۔ بغض اور بے مہری سے نجات مل جاتی ہے اور تمدّنی مسائل میں اُٹھنے والے تنازعے دب جاتے ہیں اور فتنہ و فساد کو ہوا نہیں ملتی ۔ پس اطاعت امام اور ان سے محبّت ہماری یگانگت کو فروغ دیتی ہے ۔ اور ملّی اہداف کی تحصیل میں کمر بستہ ہو کر پورے اہتمام اور صف بندی سے ہم مصروف کار رہ سکتے ہیں ۔ ایسی صورت میں ہمارا قومی وجود ایک مضبوط چٹان کی طرح ہو گا ہمارے قدموں میں کبھی بھی لغزش پیدا نہیں ہو گی ۔ اس سلسلہ میں ہر فردِ جماعت کو بڑا احساس اور چوکنا ہونا چاہیئے اس لئے کہ افراد کا جماعت کا حصار امامت ہے ۔ جس کی وجہ سے عداوت کے تند و تیز تھپیڑوں اور طوفانوں سے ہم محفوظ رہتے ہیں ۔ اور جہد پیہم کے اصول پر عمل پیرا رہنا ہمارا

مقدر بنتا ہے۔

جماعتی یک جہتی اور اخوت ایسی آسمانی نعمت عظیمہ ہے کہ جس کے قیام اور حفاظت کے لئے حضرت بانی سلسلہ نے متنوع انداز اور پیرائے میں جماعت کو بار بار تلقین فرمائی اور اس میں رخنہ انداز ہونے والے اخلاق و عادات کو صراحتاً بیان کیا ہے۔ باہمی نظم کی فضاء کو درخشاں صورت میں قائم رکھنے کے لئے بعض انفرادی اور اجتماعی صفات نہایت ضروری ہیں۔ جبکہ بعض صفات سلبیہ اور منفی اعمال سے اجتناب بھی ضروری ہے۔ ان سب کے خلاصہ اور روح کو دین حق میں تقویٰ کا نام دیا ہے۔ جس کا ثواب اخروی زندگی میں گونا گوں نعمتوں اور دائمی فضلوں کے علاوہ اس عالم میں جنتی معاشرہ کا قیام ہے۔ ایسا معاشرہ جس میں حاکمیت اعلیٰ خدا کی ذات کے لئے تسلیم کی جاتی ہے اور اہل بصیرت انسان بطور امین عدل و انصاف۔ مساوات اور ہمدردی خلق کے اصولوں کو اپناتے ہوئے۔ ہر طرف سلامتی کے قیام کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ خیر کو پھیلاتے اور بدی کو روکتے ہیں۔ وہ دل کے غریب۔ حلیم اور سلیم الطبع ہوتے ہیں۔ تکبر۔ کینہ۔ بزدلی۔ حسد اور حرص و ہوا جیسی کمزوریوں سے ایسا معاشرہ پاک ہوتا ہے اور ایسے معاشرہ میں رہنے والے افراد کی اکثریت قول کی سچی۔ عمل کی دلدادہ۔ خداداد صلاحیتوں کو مفاد عامہ میں خرچ کرنیوالی ہوتی ہے۔

اپنے معاشرہ میں اتحاد اور اخوت کو قائم رکھنے کے لئے اطاعت امیر۔ قومی حمیت و خیر خواہی۔ خدمت خلق۔ صدقہ و خیرات۔ مہمان نوازی عہد کی وفا اور تجارت میں ایمان داری مؤثر اخلاق حمیدہ ہیں۔ ان اخلاق کا پابند ہونے کے لئے "دینِ حق" نے یہ تلقین فرمائی ہے کہ افراد میں عبادت۔ محبتِ الٰہی اور شعائر اللہ کی عظمت و توحید کا جذبہ موجزن رہے۔ اس سے دلوں میں خوفِ خدا اور توکل علی اللہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور انسان جھوٹ۔ افتراء پردازی اور مالِ حرام کھانے سے رکتا ہے۔ بغاوت۔ دھوکہ دہی۔ شرانگیزی بدمعاملگی۔ اشاعت فحش ایک ایسی آگ ہے جو دلوں سے رأفت اور رحمت کو بھسم کر دیتی ہے۔ اور معاشرہ بغض و کینہ کی بھینٹ چڑھ کر انتشار اور افتراق کا شکار ہو جاتا ہے۔ باہمی تنازعات سے قدموں میں لغزش آتی ہے۔ جس سے قومی وقار اور جماعتی احترام پر حرف آتا ہے۔ جماعتی وحدت میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ جو اغیار کو مبارزت پر دلیر کر دیتی ہے۔ جماعت افراد کا مجموعہ ہے اور افراد میں مزاج اور طبائع کا فرق بعض اوقات سوچ میں اختلاف کو جنم دیتا ہے۔ لیکن اختلافِ رائے اور عناد میں بیّن فرق ہے۔ اجتماعی زندگی کا اصل الاصول باہمی اتحاد ہے۔ کوئی نظریہ یا اجتماعی مقصد بار آور نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ افراد کی متحدہ قوّت اس کی پشت پر نہ ہو۔ اس لئے ذمہ دار افراد کے لئے حکم یہ ہے کہ ایسی راہیں تلاش کرو جو تیسر اور سہولت پر منتج ہوں نہ یہ کہ اُن کے احکام دوسروں کی مشکلات میں اضافہ کا موجب بنیں۔

زاویہ فکر میں دیانت داری سے باہمی سوچ میں اختلاف کو رحمت قرار دیا گیا ہے۔ اس کو سُننا اور برداشت کرنا ضروری ہے تا مختلف آراء سامنے آجائیں لیکن جب فیصلہ ہو جائے تو پھر اس کی پابندی ہر ایک پر لازم ہے۔ اطاعت اور فرمانبرداری کا امتحان تو اس وقت ہوتا ہے جب انسان کی ذاتی سوچ اور خواہش کے منافی امور سامنے آئیں جماعتی وحدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے شکر گذاری کا طریق یہ ہے کہ پورے انشراح کے ساتھ ایسے فیصلوں کو سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے قبول کیا جائے۔ اور ہر اس شخص اور مقام سے گریز کیا جائے کہ جس کی بات جماعت کے مؤقف یا فیصلہ کے خلاف ہو اور جہاں پر اختلاف رائے فساد کا موجب بنتا ہو۔ اسی لئے حضرت اقدس بانی سلسلہ کا ارشاد ہے:

"سو اپنے درمیان سے ایسے ایسے شخص کو جلد نکالو جو بدی اور شرارت اور فتنہ انگیزی اور بدنفسی کا نمونہ ہے۔"

دین کی روح اور مغز دوسروں کے لئے خیر خواہی اور ہمدردی ہے۔ اس خیر خواہی کا دائرہ خدا۔ رسول۔ ائمہ اور عامۃ النّاس پر محیط ہے احکامِ خداوندی پر محکم یقین رکھتے ہوئے اپنے قلب و فکر میں شمع ایمان روشن کر کے اعمالِ خیر بجالاتے ہوئے رفاہِ عامہ کی روحانی و جسمانی بہبود اور بہتری کے لئے کوشاں رہنا اصل مقصود حیات ہے۔ جس کے لئے تواتر سے جماعتی انداز میں کوششوں کا سلسلہ جاری و ساری رہنا چاہیئے۔ اس کے لئے "امامت" کی شکل میں مرکزیت کے علاوہ ایسا جماعتی اتحاد اور یک جہتی ضروری ہے جو باہمی مواخات اور خیر میں تعاون پر مبنی ہو۔

اس عمل سے قوم میں مشکلات کا سامنا کرنے کے لئے بلند حوصلگی پیدا ہوتی ہے۔ جرأت مندی اور مستعدی سے حالات کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ آخری نتیجہ اپنی منزل تک رسائی اور مقصد میں کامیابی ہوتا ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ جلسہ سالانہ کے اغراض اور فوائد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور اُن کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہ اللہ جل شانہ کوشش کی جاویگی۔"

پس ہمارا جلسہ سالانہ باہمی خیر خواہی۔ مشترکہ مساعی اور دینی اخوت پر قائم جس اتحاد کا عکاس اور مظہر ہوتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ سال کے باقی ماندہ ایام میں بھی کوئی ایسی حرکت یا طریق اختیار نہ کریں جس سے ہمارے جماعتی اتحاد و یک جہتی کو کسی نوع کا نقصان لاحق ہو جائے۔

اگر دنیا بھر کے اموال بھی صرف کر دیں تو یہ رشتۂ مؤدّت۔ جو ہمیں از سر نو نصیب ہوا ہے مل نہیں سکتا۔ اسکی قدر اور توقیر ہمیں عفو، درگذر اور صبر و حلم کی راہ دکھاتی ہے اس رشتہ کی حفاظت کے لئے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے بعض فرمودات کا ذکر نہایت ضروری ہے:۔

"سب سے اوّل اپنے دلوں میں انکسار اور صفائی اور اخلاص پیدا کرو اور سچ مچ دلوں کے حلیم اور سلیم اور غریب بن جاؤ۔"

"جو شخص ہماری جماعت میں غربت اور نیکی اور پرہیزگاری اور حلم اور نرم مزاجی اور نیک چلنی کے ساتھ نہیں رہ سکتا وہ جلد ہم سے جدا کیا جائے گا۔"

"بڑے ہو کر چھوٹوں پر رحم کرو نہ ان کی تحقیر۔ عالم ہو کر نادانوں کو نصیحت کرو نہ خود نمائی سے ان کی تذلیل اور امیر ہو کر غریبوں کی خدمت کرو نہ خود پسندی سے اُن پر تکبّر۔"

"تم آپس میں جلد صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو کیونکہ شریر ہے وہ انسان جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں وہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔ تم اپنی نفسانیت ہر پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو اور سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلل کرو۔"

"تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے۔ بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا سو اس کا مجھ میں کوئی حصہ نہیں۔"

یہ مُشتِ خاک بے شک ناتواں ہے
مگر دونوں جہانوں پر گراں ہے

ہر اک اختر کے پیچھے دوڑتا ہوں
خداوندا مری دُنیا کہاں ہے

کہاں ٹپکاؤں میں اشکِ محبت
یہ قطرہ لامکاں ہے لازماں ہے

مجھے منظور ہے فردوس یارب
اگر فردوس دَرِ جاوداں ہے

نہ پوچھو بات پیرِ میکدہ کی
یہ پیر اَب تک جوانوں کا جواں ہے

جہاں تو یہ رہا اور یہ جہنّم
مگر تنویر کس جانب رواں ہے

روشن دین تنویر

ہَوا سے اَبر کو زنجیر کرنا
ہمارے خواب بھی تحریر کرنا

ہمارے خُون کی سُرخی لگا کر
تم اپنے حُسن کی تشہیر کرنا

سو اب ٹھہرا یہی دستورِ گلشن
گلوں کو اور بے توقیر کرنا

یہاں موسم ابھی اچھا نہیں ہے
ابھی کچھ اَور بھی تاخیر کرنا

بہت سچّے سہی جذبات پھر بھی
جہاں تک ہو سکے تدبیر کرنا

ابھی مت نام لینا تم کسی کا
ابھی بس شکوۂ تقدیر کرنا

بہت دن ہیں ابھی جلسے میں اکبر
ابھی آئینے میں تقریر کرنا

اکبر حمیدی

عشق ہے راہِ وفا میں خاک ہو جانے کا نام
ماورائے سرحدِ افلاک ہو جانے کا نام

عقل اپنی مصلحت بینی پہ خوش ہے اور جنوں
بے نیازِ دانشِ چالاک ہو جانے کا نام

عقل کو بخیہ گری سے ہی نہیں حاصل فراغ
اور جنوں ہے خُود گریباں چاک ہو جانے کا نام

عقل فکرِ این و آں، اندیشۂ سُود و زیاں
عشق این و آں کا قصّہ پاک ہو جانے کا نام

لذّتِ گریہ سے بیگانہ رَوِی خُوئے ہوس
عشق لیکن آنکھ کے نمناک ہو جانے کا نام

عقل محوِ جستجوئے حُسنِ بے پروا رہی
اور جنوں ہے حُسن کے اِدراک ہو جانے کا نام

عقل اپنی ذات کی تزئین و آرائش میں گم
عشق لیکن خُود خس و خاشاک ہو جانے کا نام

معنئ اسلام ہے لاریب تسلیم و رضا
یہ نہیں ہے ظالم و سفّاک ہو جانے کا نام

دیکھتی ہے عقل تو لہروں کا رُخ موجوں کا زور
عِشق ہر طوفان میں تیراک ہو جانے کا نام

حُسنِ کامل منتہائے کاروبارِ ہست و بود
عِشق ہے محوِ شہِ لولاکؐ ہو جانے کا نام

ڈاکٹر محمود الحسن امین آبادی

عطاء المجیب راشد

جلسہ سالانہ

حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ارشادات

حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ کے ارشادات کی روشنی میں جلسہ سالانہ سیدنا حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کا لگایا ہوا ایک شجرۂ طیبہ ہے۔ یہ پودا بڑھتے بڑھتے آج ایک عالم گیر تناور درخت کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ جڑوں کے اعتبار سے اس قدر مضبوط اور راسخ ہے کہ سو سال کے عرصہ میں اٹھنے والی آندھیاں اور طوفان اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے، ہر مخالفت کے بعد یہ درخت زیادہ قوت اور شادابی سے ابھرا اور آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ کیفیت ہے کہ اس شجرۂ طیبہ کی شاخیں ہفت اقلیم میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔

اس مقدس جلسہ سالانہ کے بانی سیدنا حضرت بانیٔ سلسلہ کے بابرکت الفاظ میں یہ جلسہ سالانہ کیا ہے اور اس کی اہمیت کیا ہے؟

آپ نے فرمایا:

”یہ وہ امر ہے جسکی خالص تائیدِ حق اور اعلائے کلمۂ (—) پر بنیاد ہے“۔

”کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے“۔

”اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی۔ کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں“۔

اس عظیم الشان جلسہ سالانہ کی بنیاد اس طرح پڑی کہ حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء کو قادیان میں دینی مشورہ کے لئے ایک جلسہ منعقد فرمایا۔ یہ بابرکت اجتماع تاریخ احمدیت میں سب سے پہلا جلسہ سالانہ قرار پایا۔ اس میں ۷۵ افراد نے شمولیت کی سعادت حاصل کی۔ ان مخلصین کو آپ نے اپنی خاص دعاؤں سے نوازا اور فرمایا:

”اب جو ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء کو دینی مشورہ کے لئے جلسہ کیا گیا اس جلسہ پر جس قدر احباب محض للہ تکلیف سفر اٹھا کر حاضر ہوئے۔ خدا ان کو جزائے خیر بخشے۔ اور ان کے ہر یک قدم کا ثواب ان کو عطا فرمائے (—)

(اعلان ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ء آسمانی فیصلہ)

اس ابتدائی جلسہ کے بعد حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے اس بابرکت اجتماع کو ایک مستقل شکل عطا فرما دی۔ جلسہ سالانہ کی بنیادی غرض و غایت اور مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”تمام مخلصین داخلین سلسلۂ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کر بیعت کرنے سے غرض یہ ہے کہ تا دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو۔ اور اپنے مولیٰ کریم (.......) کی محبت دل پر غالب آجائے اور ایسی حالت انقطاع پیدا ہو جائے جس سے سفرِ آخرت مکروہ معلوم نہ ہو۔ لیکن اس غرض کے حصول کے لئے صحبت میں رہنا اور ایک حصہ اپنی عمر کا اس راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے تا اگر خدائے تعالیٰ چاہے تو کسی برہانِ یقینی کے مشاہدہ سے کمزوری اور ضعف اور کسل دُور ہو۔ اور یقین کامل پیدا ہو کر ذوق اور شوق اور ولولۂ عشق پیدا ہو جائے۔ سو اس بات کے لئے ہمیشہ فکر رکھنا چاہیئے اور دعا کرنا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ یہ توفیق بخشے اور جب تک یہ توفیق حاصل نہ ہو۔ کبھی کبھی ضرور ملنا چاہیئے۔ کیونکہ سلسلۂ بیعت میں داخل ہو کر پھر ملاقات کی پرواہ نہ رکھنا ایسی بیعت سراسر بے برکت اور صرف ایک رسم کے طور پر ہوگی۔ اور چونکہ ہر یک کے لئے بباعثِ ضعفِ فطرت یا کمیٔ مقدرت یا بُعدِ مسافت یہ میسّر نہیں آسکتا کہ وہ صُحبت میں آکر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اٹھا کر ملاقات کیلئے آوے۔ کیونکہ اکثر دلوں میں ابھی ایسا اشتعالِ شوق نہیں کہ ملاقات کے لئے بڑی بڑی تکالیف اور بڑے بڑے حرجوں کو اپنے پر روا رکھ سکیں۔ لہٰذا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسہ کے لئے مقرر کئے جائیں جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالیٰ چاہے بشرطِ صحت و فرصت و عدم موانع قویّہ تاریخ مقرّرہ پر حاضر ہو سکیں۔ سو میرے خیال میں بہتر ہے کہ وہ تاریخ ۲۷ دسمبر سے ۲۹ دسمبر تک قرار پائے۔ یعنی آج کے دن کے بعد جو تیس دسمبر ۱۸۹۱ء ہے۔ آئندہ اگر ہماری زندگی میں ۲۷ دسمبر کی تاریخ آجاوے تو حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کے سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آجانا چاہیئے“۔

(نشانِ آسمانی)

جلسہ سالانہ کے پس منظر کی وضاحت کرنے اور اس کا بنیادی مقصد بیان کرنے کے بعد آپ نے یہ وضاحت بھی فرما دی کہ اس جلسہ سالانہ سے یہ مقاصد کن کن طریق سے حاصل ہوں گے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

”اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا۔ جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں۔ اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہو گی۔ اور حتی الوسع بدرگاہِ ارحم الراحمین کوشش کی جائے گی کہ خدائے تعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے۔ اور ایک عارضی فائدہ اِن جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر یک نئے سال جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے۔ وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناسی ہو کر آپس میں رشتہ تودّد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا۔ اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی۔ اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہِ حضرت عزّت جلشانہ کوشش کی جائیگی“۔

(نشانِ آسمانی)

جلسہ سالانہ کے وسیع تر مقاصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے مزید فرمایا کہ:

”اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے۔ جو وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے“۔

(نشانِ آسمانی)

ان عظیم الشان مقاصد اور فوائد کے پیشِ نظر حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے بڑے تاکیدی الفاظ میں یہ نصیحت فرمائی کہ احباب جماعت کو حتی المقدور اس بابرکت روحانی اجتماع میں ضرور شامل ہونا چاہیئے۔ آپ نے احباب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

”حتی الوسع والطاقت تاریخ مقررہ پر حاضر ہونے کے لئے اپنی آئندہ زندگی کے لئے عہد کر لیں اور بدل و جان پختہ عزم سے حاضر ہو جایا کریں بجز ایسی صورت کے کہ ایسے موانع پیش آجائیں جن میں سفر کرنا اپنی حدّ اختیار سے باہر ہو جائے“۔

(آسمانی فیصلہ)

پھر ایک اور موقع پر جلسہ سالانہ میں شمولیت کی تحریک اور تاکید کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

”لازم ہے کہ اس جلسہ پر جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لائیں۔ جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور اپنا سرمائی بستر لحاف وغیرہ بھی بقدرِ ضرورت ساتھ لادیں۔ اور اللہ (—) کی راہ میں ادنیٰ ادنیٰ حرجوں کی پرواہ نہ کریں۔ خدا تعالیٰ مخلصوں کو ہر قدم پر ثواب دیتا ہے اور اس کی راہ میں کوئی صعوبت ضائع نہیں جاتی“۔

(اشتہار ۷ دسمبر ۱۸۹۲ء)

احباب جماعت کو اس بابرکت روحانی اجتماع میں شمولیت کی مزید تحریک کی غرض سے آپ نے یہ بھی نصیحت فرمائی کہ وقت سے پہلے اس کی نیت کر لیں۔ اور مناسب

تیاری بھی کر لیں۔ آپ نے فرمایا:
"کم مقدرت احباب کے لئے مناسب ہوگا کہ پہلے ہی سے اس جلسہ میں حاضر ہونے کا فکر رکھیں۔ اور اگر تدبیر اور قناعت شعاری سے کچھ تھوڑا تھوڑا سرمایہ خرچ سفر کے لئے ہر روز یا ماہ بماہ جمع کرتے جائیں اور الگ رکھتے جائیں تو بلا دقت سرمایۂ سفر میسر آجاوے گا۔ گویا یہ سفر مفت میسر ہو جائے گا۔"
(نشان آسمانی)

پھر آپ نے ازراہ شفقت اس بابرکت جلسہ سالانہ میں شامل ہونے والوں کو ہمیشہ کے لئے اپنی بابرکت دعاؤں سے نواز دیا۔ آپ نے فرمایا:
"میں دعا کرتا ہوں کہ ہر ایک صاحب جو اس للٰہی جلسہ کے لئے سفر اختیار کریں خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہو اور ان کو اجر عظیم بخشے اور ان پر رحم کرے اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات ان پر آسان کر دیوے اور ان کے ہمّ و غم دور فرماوے اور ان کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے۔ اور ان کی مرادات کی راہیں ان پر کھول دیوے اور روزِ آخرت میں اپنے ان بندوں کے ساتھ ان کو اٹھاوے جن پر اس کا فضل و رحم ہے۔ اور تا اختتامِ سفر ان کے بعد ان کا (ـــ) ہو۔
اے خدا اے ذوالمجد والعطاء اور رحیم اور مشکل کشا یہ تمام دعائیں قبول کر اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر یک قوت اور طاقت تجھ ہی کو ہے۔"
(اشتہار ۷ دسمبر ۱۸۹۲ء)

اللہ تعالیٰ کرے کہ مرکزی جلسہ سالانہ اور اس کے تتبع میں اکنافِ عالم میں منعقد ہونے والے جلسہ ہائے سالانہ کے جملہ شرکاء کے حق میں یہ پیاری دعائیں ہمیشہ قبول ہوتی رہیں۔

محمود احمد صاحب مربی سلسلہ

جلسہ سالانہ میں خدمت

خدمت بہترین خلق ہیں سے ہے حدیث میں سرداری کو خدمت کے ساتھ جوڑا گیا ہے سردار بننے کے لئے خدمت کرنی پڑتی ہے۔

خدمات کئی اقسام کی ہیں پھر خدمت بڑی بھی ہو سکتی ہے اور چھوٹی بھی اور زیادہ بھی ہو سکتی ہے اور کم بھی، زیادہ تر حسنِ خلق اور خلوصِ نیت کے ساتھ اس وصف کو بروئے کار لایا جانا چاہیئے۔

سعادت مندی اسی میں ہے کہ بشاشتِ قلب کے ساتھ خدمت کی جائے۔ خدمت کا ایک حصہ تو اس طرح ہے کہ خود کسی کی خدمت کرے یا پھر خدمت پر کسی کو مامور کیا جائے، ہر دو صورت میں جذبات و کیفیت اخلاص و ہمدردی اور محبت کے ساتھ خدمت ہونی چاہیئے ورنہ خدمت سعادت مندی سے عاری ہو گی۔

مثلاً کسی کو پانی ہی پلانا ہو تو خوش خلقی اور پیار سے اور حسنِ اخلاق سے پیش کرنا اور معنی رکھتا ہے اور بد دلی اور بد خلقی سے پیش کرنا بالکل اور معنی رکھتا ہے قرآن کریم نے بھی اس طرف توجہ دلائی ہے کہ تم اپنے صدقات کو احسان جتانے اور تکلیف دینے (کے فعل) سے ضائع نہ کرو۔ قرآن شریف نے تلطف والے طریق کو اپنانے کا حکم دیا ہے۔ خدمت کا تقاضہ حسن خلق ہے۔ جو بھی ذمہ داری ادا کرنی ہو یا خدمت کرنی ہو اس کے لئے اچھا اخلاق ضروری ہے۔

جماعت احمدیہ کے نوجوانوں کی تنظیم خدام الاحمدیہ ہے۔ اس نام میں ہی اس تنظیم کی پہچان ہے۔ نام میں ہی تعارف موجود ہے خدمت ہماری پہچان ہے، جلسہ سالانہ کا آغاز حضرت بانی سلسلہ نے فرمایا اس لئے جلسہ سالانہ پر جو مہمانانِ کرام شمولیت کی سعادت حاصل کرتے ہیں وہ حضرت بانی سلسلہ کے مہمان ہیں۔ ہر مہمان کی خدمت کار سعادت و ثواب ہے مگر جلسہ سالانہ میں شامل ہونے والے مہمانوں کی خدمت کرنا اور خدمت کی توفیق پانا گویا سونے پر سہاگہ ہے۔ اس وجہ سے جلسہ سالانہ کے منتظمین اس انتظام کو بہت محنت اور تدبر سے بجا لانے کے لئے دل و دماغ کو ہمہ تن حاضر رکھتے ہیں اور اس خدمت کے بخیر و خوبی سر انجام پانے اور شرف مقبولیت حاصل کرنے کے لئے بارگاہِ ایزدی میں سر بسجود رہتے ہیں۔

حضرت بانی سلسلہ کے مہمانان کرام کی خدمت کرنا کتنی اہم ذمہ داری ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ہم نے ہر جلسہ سے قبل امام جماعت احمدیہ کو بنفسِ نفیس تشریف لا کر کارکنان کو ہدایات دیتے ہوئے اور انتظامات کا معائنہ کرتے ہوئے دیکھا ہے

اس لئے ہر خادم کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے اور یہ تڑپ ہوتی ہے کہ جس قسم کی خدمت کا موقعہ دیا جائے اس ذمہ داری کو میعار کے مطابق پورا کرنے کی کوشش کرے۔ اس کارِ عظیم میں کئی طرح کے کام کرنے ہوتے ہیں۔ پانی پلانے سے مہمانان کو راستہ بتانے تک جو کام بھی سپرد ہو اسے صحیح طرح ادا کر کے دلی سرور حاصل کیا جانا چاہیئے۔

میں نے ۱۹۶۲ء سے ۱۹۸۳ء تک ربوہ میں جلسہ سالانہ دیکھا اور خدمت کا موقعہ پایا، انتظامات کا آغاز تو کافی عرصہ پہلے سے شروع ہو جاتا ہے۔ بلکہ بنیادی ضروری کام تو سارا سال جاری رہتا ہے۔ اجناس کی فراہمی سے لیکر جملہ ضروریات جمع کرنے کا کام سارا سال ہی کرنا پڑتا ہے اور ہمارے بزرگ ہمہ تن اس ذمہ داری کو ادا کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔

جلسہ میں دو طرح کی ذمہ داری ادا کی جاتی ہے۔ ایک تو جلسہ کے انتظام کے تحت افرادِ جماعت خدمت کرتے ہیں۔ پھر ایک حصہ وہ ہے جو جلسہ کے انتظام میں نام نہیں لکھواتے مگر مہمان کی خدمت بھرپور طریق سے کرتے ہیں۔ مثلاً بہت سے مہمان اپنے اعزہ و اقارب کے ہاں قیام کرتے ہیں تو گھر کے کچھ لوگ ان مہمانوں کی خدمت کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں۔ جلسہ کی ذمہ داری کئی قسم کی ہوتی ہے اور انتظامیہ کارکنان کی عمر اور صحت کو مدّنظر رکھتے ہوئے ذمہ داری سپرد کرتی ہے۔ تو جہاں تک خدمت کا تعلق ہے وہ تو ہر احمدی کرتا ہے عموماً خدام الاحمدیہ کے ذمہ ان کی عمر اور جسمانی قوت کے پیش نظر کام سپرد کیا جاتا ہے۔ اس تقسیم میں ٹریننگ بھی مدّنظر ہوتی ہے۔ مثلاً ہمارے ایک بہت ہی پیارے محسن سید داؤد احمد صاحب جو ایک لمبا عرصہ جامعہ احمدیہ کے پرنسپل رہے ہیں وہ جلسہ سالانہ کے افسر بھی تھے۔ ان کا طریق یہ تھا کہ جب طلبا، جامعہ میں داخل ہوتے تو انہیں شروع میں چھوٹے چھوٹے کام سے شروع کراتے تاکہ ہر کام کو کرنے کی ٹریننگ حاصل ہو اور ہر کام کے متعلق معلومات حاصل ہوں۔ اصل میں خوشی کے ساتھ اطاعت اور صبر کے ساتھ ذمہ داری کو نبھانا کار ثواب ہے مثلاً چند لوگوں کو فارغ بٹھانا پڑتا ہے تاکہ حسب ضرورت مانگ پوری کرنے کے لئے کارکن مہیا ہو سکیں۔ ایسے لوگوں کے ذہن میں بعض دفعہ یہ بات آتی ہے کہ میں تو فارغ ہوں کوئی کام نہیں ہے۔ اس سوچ کو غلط کہا جائیگا کیونکہ فارغ بٹھایا گیا ہے خود اگر بیٹھے تو پھر وہ نقصان دہ ہو گا۔ اس لئے ہمارے ذہن میں یہ بات مستحضر رہے کہ ہر بڑی سے بڑی تعمیر کے لئے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے۔ اینٹ نظر آجاتی ہے اور ریت تو بہت باریک ذرہ ہے۔ جب تک ایک ہجوم نہ ہو نظر نہیں آتی حالانکہ ریت کے بغیر اینٹ سے عمارت نہیں بنائی جا سکتی ہے۔ تو خدام ہوں یا اطفال، انصار ہوں یا لجنہ جس کارکن کو جہاں اور جس کام پر مامور کیا جائے اسے خلوص نیت اور حسنِ اخلاق سے پورا کرنے کی بھرپور کوشش کیا جانا ضروری ہے۔

آخر میں میں حصولِ برکت کے لئے حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کا ایک ارشاد پیش کرتا ہوں جو حضور نے جلسہ سالانہ کے انعقاد کے ضمن میں ارشاد فرمایا ہے۔ حضور کے ارشادات میں ہی ساری برکت ہے اور ساری خدمتوں کا منبع یہی ارشادات ہیں۔

حضور نے فرمایا۔

"تمام مخلصین داخلین سلسلہ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کہ بیعت کرنے سے غرض یہ ہے کہ تا دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو اور اپنے مولیٰ کریم ... کی محبت دل پر غالب آجائے اور ایسی حالت انقطاع پیدا ہو جائے جس سے سفر آخرت مکروہ معلوم نہ ہو، لیکن اس غرض کے حصول کے لئے صحبت میں رہنا اور ایک حصہ اپنی عمر کا اس راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے تا اگر خدا تعالیٰ چاہے تو کسی برہان یقینی کے مشاہدہ سے کمزوری اور ضعف اور کسل دُور ہو اور یقین کامل پیدا ہو کر ذوق اور شوق اور ولولۂ عشق پیدا ہو جائے۔

سو اس بات کے لئے ہمیشہ فکر رکھنا چاہیئے اور دعا کرنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ یہ توفیق بخشے اور جب تک یہ توفیق حاصل نہ ہو کبھی کبھی ضرور ملنا چاہیئے کیونکہ سلسلہ بیعت میں داخل ہو کر پھر ملاقات کی پروا نہ رکھنا ایسی بیعت سراسر بے برکت اور صرف ایک رسم کے طور پر ہو گی۔ اور چونکہ ہر ایک کے لئے بباعث ضعف فطرت یا کمی مقدرت یا بعد مسافت یہ میسّر نہیں آسکتا کہ وہ صحبت میں آکر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اٹھا کر ملاقات کے لئے آوے۔ کیونکہ اکثر دلوں میں ابھی ایسا اشتعال شوق نہیں کہ ملاقات کے لئے بڑی بڑی تکالیف اور بڑے بڑے حرجوں کو اپنے پر روا رکھ سکیں لہٰذا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسہ کے لئے مقرر کئے جائیں جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالیٰ چاہے بشرط صحت و فرصت و عدم موانع قویّہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں۔ سو میرے خیال میں بہتر ہے کہ وہ تاریخ ۲۷ دسمبر سے ۲۹ دسمبر تک قرار پائے یعنی آج کے بعد جو تیس دسمبر ۱۹۹۱ء ہے آئندہ اگر ہماری زندگی میں ۲۷ دسمبر کی تاریخ آجاوے تو حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کے سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آجانا چاہیئے اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہو گی اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کی جائے گی کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہو گا کہ ہر یک نئے سال جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہو چکے ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناسی ہو کر آپس میں رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا۔ اس جلسہ میں اس کے لئے دعا... کی جائے گی اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے بدرگاہ حضرت عزت جلشانہ کوشش کی جائے گی اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے جو (انشاء اللہ القدیر) وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے۔"